نور سیریز ②

بچوں کی تربیت کے لیے دینی، اخلاقی، معلوماتی اور مزاحیہ کہانیوں کا خوب صورت تحفہ

کلیاں

پسند فرمودہ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب مدظلہم

شیخ الحدیث و مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

تحریر وترتیب

محمد رضوان صدیقی

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

دارالھدیٰ

نور سیریز ②

بچوں کی تربیت کے لیے دینی، اخلاقی، معلوماتی اور مزاحیہ کہانیوں کا خوب صورت تحفہ

کلیاں

پسند فرمودہ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر صاحب مدظلہم

شیخ الحدیث و مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

تحریر و ترتیب

محمد رضوان صدیقی

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

دار الہدیٰ

11020209

کتاب کا نام .... کلیاں

تاریخِ اشاعت .... فروری ۲۰۰۹ء

باہتمام .... احباب دارالہدیٰ

کمپوزنگ .... فاروق اعظم کمپوزرز کراچی

ملنے کے پتے

زم زم پبلشرز، اردو بازار، کراچی	021-2761671
دارالاشاعت، اردو بازار کراچی	021-2213768
مدرسہ بیت العلم، گلشن اقبال، کراچی	021-4976073
صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک، کراچی	021-2224291
بیت القرآن، اردو بازار، کراچی	021-2630744
مرکز القرآن، کراچی	021-2624608
بیت القرآن، چھوٹی گھٹی، حیدرآباد	022-2630744
حافظ اینڈ کو، لیاقت مارکیٹ، نواب شاہ	0244-360623
مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور	042-7355743
مکتبۃ الحسن، اردو بازار، لاہور	042-7241355
ادارہ اسلامیات، لاہور	042-7353255
کتب خانہ رشیدیہ، راولپنڈی	051-5771798
دارالقرآن اکیڈمی، محلہ جنگی، پشاور	091-2665956
مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ	081-2662263

مکتبہ بیت العلم:

فون: 4916690-21-92+

موبائل: 2583199-0322-92+

موبائل: 2456210-0333-92+

فیکس: 4972636-21-92+

ناشر

مکتبہ دارالہدیٰ

G-30 اسٹوڈنٹ بازار، گراونڈ فلور، اردو بازار کراچی

موبائل: 2179295-0322-92+

موبائل: 7816019-0321-92+

فون: 2726509-21-92+

Website: www.mbi.com.pk

email: info@mbi.com.pk

V.P کی سہولت موجود ہے۔ آج ہی آڈر ناشر کے پتہ پر SMS کریں۔

مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّيۡ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡم

ایک عربی عالم بچوں کی تربیت کے حوالے سے اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

''معصوم بچہ جب اس دنیا میں آتا ہے تو وہ سفید کاغذ کی طرح ہوتا ہے اور گندھے ہوئے نرم آٹے کی طرح ہوتا ہے جس سے کوئی بھی شکل بنائی جاسکتی ہے اور ہر طرح سے اس کو سجایا جاسکتا ہے۔

بچوں کے بارے میں ہمیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ان کی اچھی تربیت کا انتظام کرنا چاہیے کیوں کہ یہی بچے مستقبل میں قوم کے معمار ہیں، لہٰذا جیسی ان کی تربیت ہوگی ویسا ہی معاشرہ وجود پائے گا۔

بچوں کی تربیت میں اس بات کا خیال رکھیں کہ بچہ پیدا ہوتے ہی تربیت کے قابل ہوتا ہے اس لیے شروع دن سے ہی اس کی فکر کرلیں اور شروع ہی سے بچے کو اچھی صفات اور عمدہ اخلاق کا درس دینا شروع کردیں......اُسے برے دوستوں سے بچائیں...... بری جگہوں پر جانے سے اسے روکیں وغیرہ وغیرہ۔

نیز ان باتوں کا بچے پر صحیح معنوں میں اثر تب ہی ہوسکتا ہے جب ہم خود بھی بچوں کے سامنے عملی نمونہ بنیں، اگر خدانخواستہ ہم نے ان نونہالوں کی تربیت نہ کی یا اس میں کمی کوتاہی کی تو اندیشہ ہے کہ کل قیامت کے دن اللہ کے ہاں اس کی باز پرس ہو، کیوں کہ بچوں کے بارے میں ان کے سرپرستوں پر یہ ذمہ داری رکھی گئی ہے کہ وہ ان کی پرورش اور تربیت کا سامان کریں۔''

بچوں کی تربیت کرنے کے بارے میں مذکورہ عالم مزید لکھتے ہیں:

''بچوں کی تربیت کے معاملے میں دل چسپ کہانیوں اور سبق آموز حکایات سے بڑھ کر تاثیر دکھانے والی اور کوئی چیز نہیں ہے، کیوں کہ بچے کہانیوں میں بہت زیادہ دل چسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لہٰذا بچوں کی اس دل چسپی کو غنیمت سمجھ کر اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم کہانیوں کے ذریعے ان کی بہت

بہتر طور پر تربیت کر سکتے ہیں۔"

مذکورہ عالم کی یہ بات ایک بہت بڑی حقیقت کا انکشاف ہے کیوں کہ واقعات کی تاثیر کے بارے میں ایک سے زائد علماء وضاحت کر چکے ہیں۔

مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبقری شخصیت اور ان کی لازوال شہرہ آفاق اور عالمگیر تصانیف سے تقریباً ہر پڑھا لکھا انسان واقف ہے، مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں بچوں کے لیے بھی ایک گراں قدر ذخیرہ موجود ہے ان ہی کتابوں میں سے ایک کتاب کے مقدمے میں حضرت تحریر فرماتے ہیں:

"علماء کی جماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بچوں کی تربیت کے معاملے میں سچی حکایات و واقعات سے بڑھ کر کوئی مؤثر ذریعہ نہیں ہے، اور اگر یہ واقعات ایمان افروز اور دینی اعتبار سے سبق آموز بھی ہوں تو یہ بچوں کے لیے ایک ابتدائی مدرسے کی مانند ہیں جہاں سے بچے عمدہ صفات و اعلیٰ اخلاق کی تربیت حاصل کر سکتے ہیں۔"[1]

اس مقصد کے پیش نظر ادارے نے بچوں کے مزاج کو سامنے رکھ کر دینی...... اخلاقی...... تفریحی...... اور معلوماتی کہانیوں پر مشتمل ایک نیا سلسلہ "نور سیریز" کے نام سے شروع کیا ہے، جس کا پہلا حصہ "کرنیں" کے نام سے چھپ چکا ہے اور اب اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نور سیریز کا دوسرا حصہ "کلیاں" کے نام سے آپ کے سامنے ہے۔

اسی طرح بچوں کے لیے "روشنی سیریز" کے نام سے بھی ایک سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس میں دل چسپ اور سبق آموز کہانیوں کو رنگین مناظر کے ساتھ خوب صورت انداز میں شائع کیا گیا ہے۔

ضروری گزارش:

اس سلسلے میں والدین حضرات اساتذہ کرام اور ہر ذی درد شخص سے یہ درخواست ہے کہ وہ ان کہانیوں کو بچوں تک پہنچانے کا اہتمام کریں اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ کہانیاں بچوں کی اچھی تربیت کے لیے معاون بنیں گی، اور ساتھ ساتھ بے شمار دینی فائدے بھی حاصل ہوں گے۔

[1] قصص من التاریخ الاسلامی: ۹

1. فارغ رہنے اور وقت ضائع ہونے سے حفاظت ہوگی۔
2. محنت کرنے کا شوق اور جذبہ پیدا ہوگا۔
3. مثبت اور تعمیری سوچ پیدا ہوگی۔
4. احساسِ کمتری سے حفاظت اور ذہنی صلاحتیں بیدار ہوں گی۔
5. اردو الفاظ کی صحیح ادائیگی اور لکھنے کا طریقہ آئے گا۔

آخر میں تمام قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ادارے کے ساتھیوں کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں نیز کتاب میں اگر کوئی غلطی نظر آئے تو اس سے ضرور مطلع کریں ادارہ اس تعاون پر آپ کا بہت ممنون اور مشکور ہوگا۔

فقط والسلام

احباب دارالہدیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تقریظ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث و مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، اَمَّا بَعْدُ:

بچوں کی اخلاقی تربیت کے لیے ''نور سیریز'' اور ''روشنی سیریز'' کی کہانیاں ایک اچھی پیش کش ہے۔ اللہ تعالیٰ ''مکتبہ دارالہدیٰ'' کی ان تصانیف اور محنتوں کو قبول فرمائے اور امت کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

''آمین''

عبدالرزاق اسکندر

۳۰ / ۵ / ۱۴۲۸

۱۶ / ۶ / ۲۰۰۷

فہرستِ مضامین

گدھا اور اونٹ

دوستوں زمانے گزرے، ایک بستی میں ایک گدھا اور ایک اونٹ رہا کرتے تھے۔ بستی والے ان سے بہت کام لیتے تھے، نہ انہیں آرام کا وقت ملتا تھا نہ ہی پیٹ بھر کر کھانا، جس کی وجہ سے وہ دونوں بہت کمزور اور لاغر ہو گئے تھے۔ وہ دونوں ہی اس وجہ سے بہت پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح بھاگ نکلیں۔

ایک دن جب یہ دونوں کام سے فارغ ہو کر اور چارا وغیرہ کھا کے شام کو جمع ہوئے تو گدھا اونٹ سے کہنے لگا:

یار یہ بھی کیا زندگی ہے، سارے دن مسلسل کام کرتے رہو، نہ کھانا اچھا ملتا ہے نہ آرام کا موقع، میں تو اس زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ اونٹ نے جواب میں کہا:

بھائی اب کر بھی کیا سکتے ہیں، ہماری زندگی بھی یہی ہے، ہمارا کام بھی یہی ہے۔

گدھے نے کہا: یار کم سے کم ہم احتجاج تو کر سکتے ہیں۔

احتجاج! وہ کیسے؟ اونٹ نے گدھے سے پوچھا۔

کسی دن کام نہ کریں، چارا زیادہ کھا لیں یا کہیں بھاگ جائیں تاکہ بستی والوں کو بھی پتا چلے۔ گدھے نے اونٹ کو ورغلاتے ہوئے کہا۔

بھاگ جائیں ...... !! اونٹ نے گدھے کی طرف حیرانگی سے دیکھا۔ یہ خیال تمہارے دماغ میں کیسے آیا؟

ہمارے ساتھ رہو گے تو ایسے ہی نادر خیالات سنو گے، ہم بہت بڑے گدھے ہیں، اور واقعی ہم سوچ رہے ہیں کہ کہیں بھاگ جائیں، کسی جنگل میں، کسی نہر کنارے، کھائیں پئیں، موج کریں۔ گدھے نے جواب دیا۔

اونٹ کہنے لگا: یار یہ خیال میرے ذہن میں آیا تو تھا، لیکن میں تمہاری وجہ سے رک گیا، پتا نہیں تم کیا کہو گے؟

اب اگر تم بھی تیار ہو تو ٹھیک ہے، کہیں بھاگ چلتے ہیں۔

گدھے نے اونٹ سے کہا: پھر کل رات ہم دونوں نکل چلیں گے۔ ٹھیک ہے! لیکن دیکھو تم کسی سے ذکر مت کرنا اور ہاں یہ بات یاد رکھو، جب تم میرے ساتھ چلو گے تو آپس میں موافقت کر کر چلنا، جو صحیح بات ہو اُسے تسلیم کر لینا، اگر تم اپنی مرضی کرو گے تو تمہارے ساتھ ساتھ مجھے بھی نقصان ہو گا۔ اونٹ نے گدھے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

نہیں نہیں دوست! میں موافقت اور مرافقت یعنی نرمی اور ماننے سے کام لوں گا اور تمہاری بات کے خلاف نہیں کروں گا۔ گدھے نے جلدی سے جواب دیا۔

چناں چہ اگلے دن دونوں جلدی اٹھ گئے، ان کا ارادہ تھا کہ آج کام تھوڑا کریں

گے اور کھانا پینا زیادہ کریں گے، تا کہ جب رات کو بھاگیں تو تھکاوٹ نہ ہو اور پھر پتہ نہیں کہاں جا کے کھانا پینا ہو۔

چناں چہ سارا دن دونوں بستی کے لوگوں سے ڈنڈے کھاتے رہے لیکن کام تھوڑا ہی کیا۔ گدھا دل ہی دل میں ان لوگوں سے کہہ رہا تھا:

رک جاؤ تم لوگ ...... صبر کرو ...... تم لوگ سمجھتے ہو کہ میں بے وقوف ہوں ...... آج رات تمہیں پتا چلے گا کہ میں کتنا بڑا گدھا ہوں اور کیا کر سکتا ہوں ...... آج رات میں بھاگ جاؤں گا۔

جب رات ہوئی تو اونٹ اور گدھے کے سامنے بستی والے چارا ڈال کر چلے گئے دونوں نے جلدی جلدی چارا کھایا، کنویں کے سامنے بنے تالاب سے پانی پیا اور نکل پڑے۔

وہ دونوں بھاگے جا رہے تھے، جب پیاس زیادہ لگتی تو کسی ندی، نالے سے پانی پی لیتے، انہیں بہت تھوڑے وقت میں بہت دور نکل جانا تھا اس وجہ سے کھانے کا دونوں کے پاس وقت نہیں تھا، اس لیے بھوک برداشت کرتے ہوئے بھاگتے رہے۔

صبح کے قریب وہ دونوں ایک ایسے ہرے بھرے جنگل میں پہنچ گئے جہاں چاروں طرف گھنے درخت تھے، قریب ہی آبشار بہہ رہا تھا، پرندے چہچہا رہے تھے

اور انسانی بستی کا دور تک نام و نشان نہ تھا۔

گدھا یہاں پہنچ کر رک گیا اور بولا، یہ جگہ بہت اچھی ہے، بس یہیں ڈیرا ڈال دیتے ہیں، گدھے نے ہانپتے ہوئے اونٹ سے کہا۔

ہاں! مجھے بھی یہ جگہ مناسب لگ رہی ہے۔ اونٹ نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا:

چناں چہ دونوں دوستوں نے اس جگہ کو اپنا مسکن بنا لیا۔

صبح سے شام تک آرام کرتے، جب بھوک لگتی تو تازہ تازہ گھاس وغیرہ کھا لیتے، پیاس لگتی تو آبشار کا پانی پی لیتے۔ اس طرح دونوں کی زندگی اطمینان سے گزرنے لگی۔ دونوں ہی خوب موٹے تازے ہو گئے تھے۔

ایک دن گدھے نے اونٹ سے کہا:

دوست! میں بہت زیادہ خوش ہوں، اور خوشی سے پھول گیا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ اسی خوشی میں تھوڑی دیر اپنی سریلی اور خوب صورت آواز میں گنگناؤں۔

اونٹ نے گدھے سے کہا:

اگر تم کسی قسم کی آواز نکالو گے تو ممکن ہے کہ قریب سے کوئی انسان گزر رہا ہو اور وہ تمہاری سریلی آواز سن لے، پھر اُسے پتہ چل جائے کہ یہاں کوئی گدھا ہے تو وہ آ کر ہمیں پکڑ لے گا۔

اور ہم پھر دوبارہ وہی مشقت والی زندگی اور مصیبت میں پھنس جائیں گے، لوگ ہم پر بوجھ لادیں گے، ہمیں ماریں گے اور ہماری توہین کریں گے۔

لہٰذا ان سب چیزوں کے برداشت کرنے سے بہتر یہ ہے کہ تم اپنی سریلی آواز بند رکھو تا کہ ہم پرانی مشقتوں سے بچے رہیں۔ پھر تم سے میں نے پہلے کہا تھا کہ آپس میں موافقت بہت ضروری ہے۔

گدھا اس قدر راحت ملنے پر بہت زیادہ خوش تھا اور وہ آواز روکنے کو بالکل تیار نہیں تھا، اس نے کہا:

میں اتنے آرام سے رہ رہا ہوں، یہ میری خوشی کی انتہا ہے، اب مجھ سے بالکل بھی نہیں رُکا جا رہا ہے اور مجھے گنگنانا ضروری ہے، ورنہ مجھے خطرہ ہے کہ مجھے کچھ ہو نہ جائے۔

گدھے نے یہاں تک کہہ کر فوراً رینکنا شروع کر دیا، وہ رینکتا بھی جا رہا تھا اور اچھل کود بھی کر رہا تھا۔

اسی وقت جنگل سے کچھ دور ایک قافلہ گزر رہا تھا۔

قافلے کے سردار نے گدھے کی آواز سنی تو اُسے کچھ شک سا ہوا، چنانچہ اس نے قافلے کے محافظوں سے پوچھا:

کیا تمہیں کوئی آواز آتی محسوس ہو رہی ہے؟

محافظوں نے اِدھر اُدھر گردن گھماتے ہوئے جواب دیا:

ہاں! ہاں! پھر سردار نے فوراً اپنے محافظوں کو حکم دیا:

شاید ادھر کوئی گدھا ہے، اور ہمیں گدھے کی اشد ضرورت بھی ہے، تم لوگ جاؤ اور اس گدھے کو پکڑ لاؤ۔

اس کے بعد محافظ جنگل میں داخل ہو کر گدھے کو تلاش کرنے لگے تھوڑی دیر ڈھونڈنے کے بعد انہوں نے خوب موٹا تازہ گدھا اور اس کے ساتھ اونٹ بھی دیکھا تو فوراً ان دونوں کے گرد گھیرا ڈال لیا تاکہ یہ کہیں نکل نہ جائیں۔ پھر ان دونوں کو پکڑ لیا۔

اب گدھا پچھتانے لگا، لیکن اب وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا جب محافظ اپنے ساتھ گدھے اور اونٹ کو لے کر روانہ ہوئے تو اونٹ نے گدھے سے کہا:

میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ موافقت کے ساتھ رہو گے تو ساری زندگی سکون سے گزارو گے...... اب تمہیں اچھا لگ رہا ہے...... یہ تم سے بوجھ اٹھوائیں گے...... اپنے ساتھ ساتھ تم نے مجھے بھی مصیبت میں ڈال دیا۔

کیا یہی موافقت ہے......؟

گدھے نے جواب میں کچھ نہیں کہا، وہ اپنی حرکت پر شرمندہ تھا۔

محافظ جب گدھے اور اونٹ کو قافلے میں لے کر پہنچے تو قافلے کے سردار نے ان

دونوں کو دیکھتے ہی حکم دیا کہ ان پر خوب سامان لاد دو، یہ خوب موٹے تازے ہیں خاصا بوجھ اٹھالیں گے۔

چناں چہ محافظوں نے ایسا ہی کیا اور دونوں پر خوب سامان لاد دیا اور پھر انہیں چلانے کے لیے ان پر چھڑی ماری تو گدھا اور اونٹ دونوں چلنے لگے۔

دونوں تھوڑی دور تک تو زبردستی چلتے رہے، پھر چوں کہ ان دونوں کی بوجھ اٹھانے کی عادت باقی نہ رہی تھی، اس وجہ سے دونوں تھوڑی دور تک ہی بوجھ اٹھا کر تھک گئے، اونٹ تو زبردستی چلتا رہا لیکن گدھا بالکل کھڑا ہو گیا۔

گدھا قافلے کے ساتھ چلنے کو بالکل تیار نہیں تھا۔ محافظوں نے گدھے کو مارا، کھینچا لیکن گدھا ٹس سے مس نہ ہوا۔

قافلے کے مالک نے تنگ آ کر محافظوں سے کہا:

''اس سرکش گدھے کو اونٹ کی پشت پر لاد دو۔ اونٹ اسے اٹھائے چلتا رہے گا، ہم شہر جا کر اسے دیکھیں گے۔''

قافلے والوں نے ایسا ہی کیا۔ اونٹ کو بٹھایا، پھر اس کے اوپر سے سامان اتار کر اس کے اوپر گدھے کو لاد دیا۔ اونٹ اس وقت غصے سے پھٹ رہا تھا۔

اس نے غصے سے گدھے سے کہا:

یہ سب تمہارے نہ ماننے کی وجہ سے ہوا ہے، اگر تم میری بات مان لیتے اور نہ

رینگتے تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں اور کسی پہاڑ سے کھائی میں پھینک دوں گا۔ گدھا چپ چاپ اونٹ پر لدا رہا۔

پھر چلتے چلتے ایسا ہوا کہ قافلے والوں کے راستے میں ایک پہاڑ آ گیا۔ قافلے والے اس پر چڑھنے لگے۔ اونٹ سے پہاڑ پر چڑھنا مشکل ہو رہا تھا، اتنے میں گدھے نے اس سے کہا:

"تم مجھے اتار دو میں اب خود چڑھوں گا۔"

ابھی گدھے کی بات پوری بھی نہ ہونے پائی تھی کہ خود قافلے کے محافظوں نے اونٹ کو بٹھا کر گدھے کو نیچے اتار دیا۔

گدھا پھر خود پہاڑ پر چڑھنے لگا۔

محافظوں نے جب یہ دیکھا کہ گدھا خود چل رہا ہے تو انہوں نے اس پر سامان لادنے کی کوشش کی، لیکن قافلے کے مالک نے کہا کہ ابھی اس کو چلنے دو پہاڑ سے نیچے اتر کر اس پر سامان لاد دیں گے۔

چنانچہ محافظوں نے اسے یوں ہی چھوڑ دیا۔

گدھا اور اونٹ چپ چاپ چلتے رہے۔ چلتے چلتے گدھے نے اونٹ سے کہا:

"ہم دونوں بھاگ چلتے ہیں۔"

اونٹ نے گدھے کو جواب میں کہا:

ابھی بھاگنا مناسب نہیں ہے...... یہ پہاڑ ہے اور راستہ تنگ ہے......ہم دونوں نیچے گر جائیں گے۔

کوشش کر کے دیکھتے ہیں۔گدھا بھاگنے پر بضد تھا۔

اونٹ نے گدھے سے کہا:

دیکھو! میں نے پہلے بھی تمہیں کہا تھا کہ موافقت ضروری ہے، لیکن تم نہ مانے اور مصیبت اٹھائی، اب دوبارہ پھر میں تمہیں سمجھا رہا ہوں اور تم مان ہی نہیں رہے۔

گدھے نے جواب میں اونٹ سے کہا:

کچھ بھی ہو، میں تو ضرور بھاگوں گا۔

یہ کہہ کر گدھے نے پہاڑ سے نیچے پیچھے کی طرف واپس دوڑ لگا دی، جب کہ اونٹ اپنی جگہ پر ہی کھڑا رہا۔

محافظوں نے جب دیکھا کہ گدھا بھاگ رہا ہے تو انہوں نے اِسے پکڑنے کی کوشش کی اور اس کے پیچھے بھاگے، ادھر گدھا محافظوں کو اپنے پیچھے بھاگتا دیکھ کر اور تیز بھاگنے لگا۔گدھا اپنی جان بچانے کے لیے سرپٹ دوڑ رہا تھا، اچانک اس کے پاؤں کے نیچے ایک پتھر آیا، جس سے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ پہاڑ سے لڑھکنے لگا۔

گدھے نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بڑی کوشش کی، لیکن سنبھل نہیں پایا اور پہاڑ کے ساتھ نیچے گہرائی کی طرف لڑھکتا چلا گیا۔

قافلے کے محافظ گدھے کو گرتا دیکھ کر رک گئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ گدھا کھائی میں گر گیا ہے تو وہ واپس آ گئے۔

ادھر اونٹ بلندی سے یہ سب دیکھ رہا تھا، اور سوچ رہا تھا کہ اگر گدھا موافقت کرتا اور بات مانتا تو شاید اس کی زندگی بچ جاتی اور وہ جان سے نہ جاتا۔

چلو...... چلو...... اچانک قافلے کا مالک چلایا تو سارے قافلے والے چلنے لگے اور اونٹ بھی ان کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

بچوں بظاہر تو یہ ایک کہانی تھی لیکن اس میں ہم سب کے لیے ایک بہت ہی کام کی اور ہمارے فائدے کی بات بھی ہے کیا آپ جان گئے کہ وہ کیا بات ہے؟

جی ہاں! آپ نے صحیح جواب دیا۔ ''موافقت کرنا''

اچھا بچوں کیا آپ کو معلوم ہے کہ موافقت کسے کہتے ہیں، نہیں۔ چلیں ہم آپ کو اس کا مطلب بتا دیتے ہیں، بچوں موافقت کا مطلب ہے ''بات ماننا''۔

لہٰذا آپ سب آج سے یہ پکی نیت کریں کہ اپنے والدین...... اساتذہ...... اور بڑوں کی بات مانیں گے اور اختلاف نہیں کریں گے، کیوں کہ ہمارے والدین، اساتذہ اور بڑے ہمارے فائدے کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں اس لیے ہمیں فائدے والی بات کا ہی کہتے ہیں، اور اگر ہم نے ان کی بات نہ مانی تو اس طرح ہمارا نقصان بھی ہو گا اور شرمندگی الگ اٹھانا پڑے گی۔

پھلوں کا باغ

عادل اور صالح دونوں نہایت ہوشیار طالب علم تھے۔ دونوں کے گھر بھی قریب قریب تھے اس وجہ سے وہ دونوں ایک دوسرے کے پکے دوست تھے۔ ایک ساتھ کھانا ...... ایک ساتھ کھیلنا ...... سیر و تفریح کے لیے بھی ایک ساتھ جانا ...... غرض دونوں ہر وقت ساتھ ہی رہتے تھے۔

صالح کے والد ایک نیک اور دین دار آدمی تھے۔ وہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے رہتے تھے اور ہمیشہ اُسے کہا کرتے تھے:

"بیٹا! اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرو اور ہمیشہ گناہوں سے دور رہو، ان تمام کاموں سے بچو جن کو کرنے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو۔ اور ہر کام کرنے سے پہلے یہ سوچو کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور وہ ہر جگہ، ہر وقت، ہمارے ساتھ ہے اور اُس پر ہماری کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔

بیٹا! ایک دن ایسا آئے گا جس میں ہماری ہر بات اور کام کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

صالح ہمیشہ اپنے والد کی نصیحت غور سے سنتا اور اس پر عمل کی کوشش کرتا۔

ایک دن اسکول کی چھٹی تھی، عادل اپنے دوست صالح سے ملاقات کے لیے نکلا اور آہستہ آہستہ پیدل چلتے ہوئے صالح کے گھر تک پہنچ گیا۔

دروازے پر لگی گھنٹی بجا کر عادل ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" اندر سے صالح دروازہ کھول کر باہر نکلا اور سلام کیا۔

"وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" عادل نے مسکراتے ہوئے جواب دے کر صالح کی طرف مصافحے کے لیے دونوں ہاتھ بڑھا دیئے۔ کہیے کیا حال ہیں؟ عادل نے پوچھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! ابھی میں آپ کے پاس آنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ آپ آ گئے۔ صالح نے عادل کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

چلیں کوئی بات نہیں! عادل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

آج کیا کرنا ہے؟ کیوں کہ اسکول کی تو چھٹی ہے۔ صالح نے عادل سے پوچھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے چلے جا رہے تھے۔

"ایسا کرتے ہیں وہ جو شہر سے باہر پھلوں کا باغ ہے وہاں چلتے ہیں۔ وہاں پھل کھائیں گے، نہر کا ٹھنڈا پانی پئیں گے، باغ میں بیٹھیں گے اور باتیں کریں گے۔"

عادل نے صالح کو اپنی رائے پیش کی۔

ہاں یہ ٹھیک ہے! ویسے بھی وہاں گئے ہوئے کافی دن ہوگئے۔ صالح نے فوراً عادل کی رائے سے اتفاق کرلیا۔ چلو! پھر وہیں چلتے ہیں۔

دونوں دوست اپنا رُخ بدل کر شہر کے باہر کی طرف چلنے لگے۔ باغ چوں کہ قریب ہی تھا، اس لیے دونوں پیدل ہی باغ کی طرف روانہ ہوگئے، اور تھوڑی ہی دیر میں دونوں باغ میں پہنچ گئے۔

باغ کا منظر بڑا خوب صورت تھا، بڑے بڑے درخت، ان پر لگے پھل اور پھول بہت خوش نما نظر آرہے تھے، اور درختوں پر بیٹھے مختلف رنگ کے پرندے چہچہا رہے تھے۔

عادل اور صالح دونوں بینچ پر بیٹھ گئے اور ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد عادل نے صالح سے کہا:

''میرا پھل کھانے کو جی کررہا ہے، ان تازہ پھلوں میں ویسے ہی بڑا عمدہ ذائقہ ہوتا ہے۔''

آج تو مالی بابا بھی نظر نہیں آرہا، پھر پھل کس طرح لیں؟

صالح نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

میں دیوار پر چڑھ کر توڑ لیتا ہوں۔ عادل نے سیدھے ہاتھ پر لگے اونچے درخت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جس پر سیب لگے تھے جو دیوار پر چڑھ کر ہی

توڑے جا سکتے تھے۔

لیکن عادل اگر باغ کا مالی آ گیا تو ہم پکڑے جائیں گے، اور اس کام پر ہمیں جو شرمندگی اٹھانی پڑے گی وہ الگ ہوگی۔

اچھا میں دیوار پر چڑھتا ہوں، اگر کوئی اس طرف آنے لگے تو تم مجھے بتا دینا۔

عادل صالح کی بات کی طرف دھیان دیئے بغیر اوپر چڑھ گیا۔ اور پھل توڑنے لگا۔ ابھی اس نے اپنا ہاتھ پھلوں کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ نیچے بیٹھے صالح کو اپنے والد صاحب کی نصیحت یاد آنے لگی:

''ہم جہاں بھی ہوں اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہمارے ساتھ ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں، ہماری باتیں سن رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔''

صالح کے ذہن میں جیسے ہی یہ باتیں آئیں صالح نے ایک زوردار چیخ ماری۔

''عادل! ہمیں کوئی دیکھ رہا ہے۔''

عادل نے فوراً دیوار سے چھلانگ لگا دی۔

جب نیچے آ کر عادل نے اِدھر اُدھر دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

صالح! یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے، پھر کون دیکھ رہا ہے ہمیں؟

عادل نے صالح سے پوچھا۔ صالح نے نہایت فکرمندی سے کہا

عادل! اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں، وہ ہر وقت اور ہر جگہ ہمارے ساتھ ہیں۔

ہیں۔اور وہ ایک دن ہم سے ہماری سب باتوں اور کاموں کا حساب لیں گے۔

عادل خود بھی ایک نیک بچہ تھا اور ایسے کاموں سے بچتا تھا جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، اس وجہ سے عادل صالح کی بات سن کر ایک دم اپنی اس حرکت پر پشیمان ہو گیا، پھر اس نے صالح سے کہا:

ہاں بھائی صالح! آپ نے سچ کہا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے، مجھ سے غلطی ہو گئی کہ مجھے خیال نہیں آیا۔ ہم ایسا کرتے ہیں کہ مالی بابا سے پھل خرید کر کھا لیتے ہیں۔

میرے دوست عادل! آپ بہت اچھے ہو۔ صالح نے عادل سے گلے مل کر اس کے کان میں کہا۔ پھر دونوں دوست مسکرانے لگے۔

پیارے بچوں! یقیناً اللہ تعالیٰ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے اور ہمارے سب کاموں کو جانتا ہے۔ اس وجہ سے ہمیں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو۔ جیسے جھوٹ بولنا، کسی کی چیز بغیر اجازت کے لے لینا۔

ان سب باتوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ اور اچھے بچے ایسا کوئی کام نہیں کرتے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں۔ اب آپ بھی یہ فیصلہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنے والے اچھے بچے بنیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

انمول ذخیرہ

سُوال ①: قرآنِ کریم کی سب سے پہلی حافظہ صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کون ہیں؟

جَوابٌ: ....

سُوال ②: وہ کون سے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد "محمد" رکھا گیا؟

جَوابٌ: ....

سُوال ③: وہ کون سے صحابی ہیں جنھوں نے اسلام میں پہلی مرتبہ بحری بیڑہ بنایا؟

جَوابٌ: ....

حل تو کریں

❶ ایک خزانہ سب سے یکتا حاسد اس کو لے نہیں سکتا

❷ دو مسافر کبھی تھکتے نہیں ایک دوسرے سے کبھی ملتے نہیں

ہنسئے مت

* کچھ لوگ ایک کنجوس کے پاس آئے اور اسے بتایا کہ وہ لوگ محلے میں پانی کا تالاب بنا رہے ہیں اس سلسلے میں آپ کچھ امداد کریں۔

کنجوس آدمی نے بیٹے کو آواز دے کر کہا:

بیٹا! انہیں پانی کی دو بالٹیاں بھر کر دے دو۔

* ایک شخص زوردار نعرہ لگا کر فوراً دوڑ پڑا۔

کسی نے پوچھا ''کہاں جا رہے ہو؟''

اس نے کہا:

''اپنی آواز سننے جا رہا ہوں تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ میری آواز کہاں تک جاتی ہے۔''

طنبوری کے جوتے

بغداد میں ایک شخص رہتا تھا جس کا نام طنبوری تھا، طنبوری بہت مالدار شخص تھا لیکن اتنا ہی بخیل بھی تھا جتنا کہ مالدار تھا۔

اپنے گھر والوں کی ضروریات بھی نہیں پوری کیا کرتا تھا نہ ہی ان کے لیے کوئی چیز خریدتا تھا مگر بڑی مشکلوں کے بعد۔

طنبوری کپڑے اس وقت بدلتا تھا جب وہ میلے ہو کر پھٹنے کے قریب ہو جاتے۔ اس کے گھر والے اس سے تنگ آ کر الگ رہنے لگے تھے اور طنبوری اپنے مکان میں بالکل اکیلا رہتا تھا۔

طنبوری کے پاس جوتوں کا ایک جوڑا بھی تھا جس پر اس کا سات سال سے گزارا تھا جب وہ جوتے کہیں سے پھٹ جاتے تو طنبوری ان پر پیوند لگا کر جوڑ دیتا۔

پیوند لگتے لگتے جوتوں کی اصل شکل ہی بدل گئی تھی اور اب وہ پہلے کی بنسبت کافی وزنی اور بھاری بھی ہو چکے تھے جس کی وجہ سے انہیں پہن کر چلنا بھی کافی زیادہ دشوار تھا۔

لیکن طنبوری ان تمام مشقتوں کے باوجود نہ ہی انہیں بدلنے پر راضی تھا اور نہ

نئے جوتے خریدنے پر کیوں کہ وہ بہت کنجوس تھا۔ لوگ اس کے جوتوں کا مذاق بھی اڑاتے رہتے تھے لیکن پھر بھی طنبوری کے کان پر جوں نہ رینگتی تھی۔

ایک دن طنبوری بازار آیا تو ایک دکان والے نے اس سے کہا:

شیخ طنبوری! ایک آدمی شیشے کی بوتلیں لایا ہے اور بڑی خوب صورت بوتلیں ہیں اور قیمت بھی کوئی خاص نہیں ہے، آج اگر تم خرید لو گے تو کچھ دن بعد یہ بوتلیں بڑے مہنگے داموں بکیں گی۔

طنبوری نے اس موقع کو غنیمت سمجھا چناں چہ اس نے دکان والے کا شکریہ ادا کیا، اور جا کر اس آدمی سے وہ شیشے کی خوب صورت بوتلیں خرید لیں۔

پھر طنبوری وہاں سے آگے چلا تو عطر کی دکانوں کے پاس سے گزرا، ایک عطر والے نے اس سے کہا:

شیخ طنبوری! سنا ہے یہاں ہمارے قریب ہی ایک صاحب کہیں سے خالص گلاب کا عطر لائے ہیں اور وہ بڑا عمدہ عطر ہے۔ آج اگر تم یہ عطر خرید لو تو ہوسکتا ہے کہ آگے جا کر چند دنوں بعد وہ مہنگے داموں بک جائے اور تم کو بہت نفع مل جائے۔

طنبوری نے دکان والے کا شکریہ ادا کیا اور اس عطر والے کا پتہ معلوم کر کے اس کے پاس جا پہنچا اور اس سے ساٹھ دینار میں وہ عطر خرید لیا۔

طنبوری بوتلیں تو پہلے ہی خرید چکا تھا اس لیے اس نے وہ ساری بوتلیں عطر سے

بھر دیں اور گھر لا کر ایک محفوظ جگہ پر رکھ دیں۔

ایک دن طنبوری حمام میں غسل کرنے چلا گیا، حمام والا طنبوری اور اس کے جوتوں کو جانتا تھا اس لیے اس نے طنبوری سے کہا:

شیخ طنبوری! تم اپنے جوتے بدل کیوں نہیں دیتے، اور نئے کیوں نہیں خریدتے؟ دیکھو ذرا اپنے ان جوتوں کو؟ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے ان کی؟

اب تو یہ جوتے لوگوں میں بہت مشہور ہو گئے ہیں سب انہیں پہچاننے لگے ہیں کہ یہ طنبوری کے جوتے ہیں اور لوگ تمہارا اور ان جوتوں کا خوب مذاق اڑاتے رہتے ہیں تو کیا تمہیں ان سب باتوں سے تکلیف نہیں ہوتی؟

طنبوری سر جھکائے حمام والے کی باتوں کو سنتا رہا لیکن اُسے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر طنبوری نہانے کے لیے اندر چلا گیا اور جب وہ نہا کر باہر نکلا تو اس کے جوتوں کے ساتھ ہی نئے جوتے بھی رکھے ہوئے تھے، طنبوری نے دل میں سوچا:

شاید حمام والے کو مجھ پر ترس آ گیا ہو اس لیے اس نے میرے لیے نئے جوتے رکھ دیئے ہوں، چناں چہ یہ سوچ کر طنبوری نے وہ نئے جوتے پہنے اور اپنے پرانے جوتے حمام میں ہی چھوڑ کر چلتا بنا۔

تھوڑی دیر بعد ان نئے جوتوں کا مالک نہا کر باہر نکلا تو اُسے اپنے جوتے کہیں نظر نہیں آئے اور جس جگہ وہ اپنے جوتے رکھ کر گیا تھا وہاں اب طنبوری کے پیوند

لگے بھاری بھرکم جوتے نظر آئے۔

اس نے حمام میں موجود لوگوں سے پوچھا کہ یہ پرانے جوتے کس کے ہیں؟

لوگوں نے بتایا: طنبوری کے ہیں۔

پھر ان نئے جوتوں کے مالک نے قاضی کو شکایت لگائی کہ طنبوری حمام سے میرے جوتے پہن کر چلا گیا تھا اور اپنے وہیں چھوڑ دیئے تھے چناں چہ مجھے اپنے جوتے واپس دلائے جائیں۔

قاضی نے طنبوری کے گھر اپنے سپاہیوں کو بھیجا کہ جاؤ طنبوری کو جوتوں سمیت پکڑ کر لاؤ۔ چناں چہ سپاہی گئے اور طنبوری کو پکڑ کر قاضی کے پاس لے آئے۔

قاضی نے طنبوری کو جوتے چوری کرنے کے جرم میں جیل میں ڈالا اور پٹائی بھی لگوائی۔ طنبوری کو یہ ساری ذلت اور بے عزتی اپنے جوتوں کی وجہ سے اٹھانی پڑی اس لیے اسے ان پر بہت غصہ آ رہا تھا۔

پھر کچھ دن بعد جب طنبوری جیل سے رہا ہوا تو اس نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ بازار سے نئے اور بالکل معمولی، سستے سے جوتے خریدے اور اپنے پرانے جوتے غصے سے نہر میں لے جا کر پھینک دیئے۔

نہر پر ایک آدمی بیٹھا مچھلی کا شکار کر رہا تھا، اللہ کی شان کہ طنبوری کے وزنی جوتے اس کے جال میں جا کر الجھ گئے، وہ شکاری بڑا خوش ہوا کہ شاید اب بہت بڑی

مچھلی جال میں آگئی ہے چناں چہ اس نے خوشی خوشی جال باہر نکالا، جال جیسے ہی پانی سے باہر آیا تو شکاری کی نظر جوتوں پر پڑی تو اس کے غصے کی انتہا نہ رہی کیوں کہ اسے مچھلی کی امید تھی نہ کہ جوتوں کی۔

بہر حال اس نے جوتے جال سے نکالے تو پہچان گیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا:

اوہو! یہ تو طنبوری کے وہی مشہور جوتے ہیں، یہ یہاں پانی میں کیسے آ گئے؟

ہاں شاید غلطی سے طنبوری کے ہاتھ سے گر گئے ہوں گے، چلو اب میں یہ جوتے اس کے گھر دے آتا ہوں۔

چناں چہ وہ شکاری جوتے لے کر طنبوری کے گھر آیا۔ گھر پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ طنبوری کہیں گیا ہوا ہے، اس لیے اس نے باہر ہی سے وہ جوتے اچھال کر اندر پھینک دیئے اور خود واپس چل دیا۔

باہر سے جوتے سیدھے طنبوری کی عطر والی شیشیوں پر گرے، چوں کہ وہ اچھے خاصے وزنی تھے اس لیے ساری شیشیاں ٹوٹ گئیں اور سارا عطر زمین پر بہہ کر ضائع ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد جب طنبوری گھر آیا تو اس نے نیا ماجرا دیکھا ...... کہ ساری شیشیاں ٹوٹی ہوئی بکھری پڑی ہین اور عطر سارا ضائع ہو گیا ہے، طنبوری چونکہ کنجوس تھا اس لیے وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکا اور ایک طرف بیٹھ کر رونے لگا اور دل ہی دل

میں افسوس کرنے لگا کہ یہ سب کچھ ہوا کیسے؟

ابھی طنبوری انہی سوچوں میں گم پریشان ہو رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر اپنے پرانے جوتوں پر پڑی، جوتوں پر نظر پڑتے ہی وہ ساری کہانی سمجھ گیا اور غصے سے جوتے اٹھا کر کہنے لگا:

اے میرے بدبخت جوتوں! کیا میں تمہیں نہر میں نہیں پھینک آیا تھا؟

بتاؤ، پھر دوبارہ کون تمہیں یہاں لایا ہے؟

جلدی بتاؤ! کون لایا ہے تمہیں یہاں؟

طنبوری اپنی دھن میں بولے جا رہا تھا، اور افسوس کر رہا تھا۔ لیکن بھلا جوتے کیسے جواب دیتے۔ پھر طنبوری جوتوں سے کہنے لگا:

''میں ابھی تمہیں گڑھا کھود کر زمین میں دفن کر دیتا ہوں جیسے لوگ مردوں کو دفناتے ہیں۔''

چناں چہ طنبوری نے جوتے ایک طرف پھینکے اور بیلچہ اور کدال لے کر پڑوسیوں کے کمرے کی دیوار کے ساتھ گڑھا کھودنے میں مصروف ہو گیا۔

پڑوسیوں نے جب اپنے کمرے کی دیوار سے گڑھا کھودنے کی آواز سنی تو وہ دوڑے دوڑے قاضی کے پاس گئے اور شکایت لگائی:

قاضی صاحب! جلدی کریں! طنبوری ہمارے کمرے کی دیوار کھود رہا ہے۔

قاضی نے یہ سنتے ہی اپنے آدمیوں کو دوڑایا کہ جاؤ طنبوری کو فوراً حاضر کرو!

چناں چہ قاضی کے لوگ گئے اور طنبوری کو گرفتار کر کے قاضی کے پاس لے آئے۔

قاضی نے طنبوری سے کہا:

تم نے پڑوسیوں کو تکلیف دی ہے اس لیے جرمانہ ادا کرو۔ ساتھ ہی قاضی نے طنبوری کو کچھ دن جیل میں بھی ڈالا اور پٹائی بھی لگوائی۔

طنبوری اس دوران اپنے جوتوں پر بری طرح غصہ ہو رہا تھا، اور اس نے نیت کی کہ وہ ان جوتوں کو ایسے ہی ذلیل کرے گا جیسے کہ جوتوں نے مجھے مشقت اور رسوائی میں ڈالا ہے۔

کچھ دن بعد جب طنبوری جیل سے رہا ہوا تو اس نے اپنے جوتے اٹھا کر گلی کے کونے والے مکان کے ساتھ بنے ہوئے گٹر میں پھینک دیئے۔ جس کی وجہ سے گٹر بند ہو گیا اور پوری گلی میں پانی بھر گیا، لوگوں کو اس سے بڑی پریشانی ہوئی اور پوری گلی میں تعفن پھیل گیا۔

آخر محلے والوں نے گٹر کھلوانے اور گلی کی صفائی کرانے کے لیے جمع دار کو بلایا، جمع دار نے جب گٹر کھولا اور اس میں سے کچرا نکالا تو لوگ اس کچرے میں طنبوری کے جوتوں کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔ لوگوں نے پھر جا کر قاضی سے طنبوری کے جوتوں

کا معاملہ پیش کیا۔

اس پر قاضی نے دوبارہ طنبوری کو طلب کیا اور خوب ڈانٹا پھر اس کو معمولی سزا دے کر اور جرمانہ ادا کرنے کا کہہ کر چھوڑ دیا، لیکن وہ جوتے دوبارہ طنبوری کے حوالے کرنے کا کہا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ انہیں کسی ایسی جگہ ٹھکانے لگا دیا جائے کہ جہاں نہ کسی کو کوئی تکلیف ہو اور نہ کسی کو شکایت۔

طنبوری بند تھیلی میں اپنے جوتے لیے جب گھر پہنچا تو وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس مصیبت سے کیسے جان چھڑاؤں، جہاں پھینکوں یہ پھر میرے گلے پڑ جاتے ہیں اور کوئی نہ کوئی نقصان بھی ساتھ میں لاتے ہیں۔

پھر اس نے سوچا کہ پہلے میں ان کو اچھی طرح دھو کر صاف کرلوں، پھر چھت پر دھوپ میں کچھ دیر رکھ کر سکھا لوں گا اس کے بعد ان کا کوئی پکا انتظام کر دوں گا۔

چناں چہ اس نے وہ جوتے صاف کیے اور اوپر چھت پر پھینک دیئے۔ چھت پر ایک کتا کھڑا تھا وہ یہ سمجھا کہ شاید کوئی کھانے کی چیز ہے اس لیے وہ ایک جوتا منہ میں لے کر بھاگنے لگا، چوں کہ وہ جوتا کافی وزنی تھا اس لیے وہ کتے کے منہ سے چھوٹ کر نیچے گلی میں گزرنے والے ایک آدمی کے سر پر گرا جس کی وجہ سے اس آدمی کا سر بری طرح زخمی ہو گیا اس نے فوراً جوتے کو پہچان لیا کہ یہ طنبوری کا ہے۔ وہ جوتا لے کر قاضی کے پاس چلا گیا۔

قاضی نے شکایت سنتے ہی طنبوری کو بلوایا۔ قاضی کے آدمی گئے اور طنبوری کو پکڑ کر قاضی کے پاس لے آئے۔ قاضی نے طنبوری کو دیکھ کر انتہائی غصے میں کہا:

تم نے اور تمہارے ان جوتوں کی شکایتوں نے ہمیں تنگ کر دیا ہے، کچھ دنوں سے بس ہمارا یہی کام رہ گیا ہے کہ ہم تمہارے جوتوں کی شکایتیں حل کرتے رہیں۔ آج تمہاری پھر ایک نئی شکایت آئی ہے، خوب کان کھول کر سن لو کہ آئندہ اگر ان جوتوں سے متعلق تمہاری کوئی شکایت آئی تو تم سے انتہائی سختی سے نمٹا جائے گا، بس اب یہ آخری موقع ہے۔ اور فی الحال تم فوراً اس زخمی آدمی کا اپنے خرچے پر علاج کرواؤ۔

چناں چہ طنبوری نے زخمی شخص کو اپنے ساتھ لیا اور جا کر اس کی مرہم پٹی وغیرہ کروائی۔ پھر طنبوری زخمی شخص کو اس کے گھر چھوڑ کر اپنے گھر پہنچا اور جوتوں کے بارے میں سوچنے لگا، اچانک وہ ایک دم زور سے اچھلا اور خوشی سے چیختے ہوئے بولا:

''مسئلہ حل ہو گیا......''

اس کے بعد وہ آرام سے سکون کی نیند سو گیا۔

پھر اگلے دن طنبوری اپنے جوتے لے کر قاضی کے پاس گیا اور جوتے اس کے سامنے رکھ کر کہنے لگا:

قاضی صاحب! میں آپ کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں! کہ آج کے بعد یہ جوتے

میرے نہیں اور نہ ہی ان کا مجھ سے کوئی تعلق ہے۔

قاضی صاحب! اللہ کے واسطے میری ان سے جان چھڑا دیں اور اس مصیبت سے مجھے بچائیں، کیوں کہ میں ان کی وجہ سے بہت نقصان اٹھا چکا ہوں۔

قاضی طنبوری کی بات سن کر ہنسنے لگا اور پھر اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا:

''ان جوتوں کو کسی جگہ زمین میں دفن کر دو۔''

چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔

دوستوں! اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملا کہ آدمی کو کنجوسی سے بچنا چاہیے ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس مال کو بلا کسی ضرورت کے جمع کر کے رکھا جائے اور ضرورت کے لیے بھی خرچ نہ کیا جائے تو بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے، جیسا کہ آپ نے اس کہانی میں پڑھا۔

اس لیے ہمیں اپنی ضرورت کے مطابق ضرور خرچ کرنا چاہیے، البتہ فضول خرچی سے ہر حال میں بچنا چاہیے اور کمزوروں ...... غریبوں ...... فقیروں اور مسکینوں پر بھی خرچ کرنے کی عادت بنانی چاہیے۔

حسد کی سزا

پرانے وقتوں کی بات ہے کہ ایک غریب آدمی خستہ حال مکان میں اپنی بیوی کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ غربت ایسی تھی کہ رات کھانے کو کچھ نہیں ہوتا، بہر حال وہ اللہ تعالیٰ سے خوش تھا اور زندگی یونہی چل رہی تھی۔

گزر بسر کا طریقہ یہ تھا کہ صبح وہ گھر سے نکل کر بازار جاتا، محنت مزدوری کر کے ایک درہم کماتا پھر اسی درہم سے واپس گھر آتے ہوئے کھانا خرید لیتا تھا۔ گھر آ کر وہ غریب اور اس کی بیوی اس ایک درہم کا کھانا کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔

اپنی عادت کے مطابق ایک دن غریب بازار آیا، محنت مزدوری کر کے ایک درہم کمایا پھر اس درہم کا کھانا خرید کر گھر کی طرف چل پڑا...... چلتے چلتے اس غریب شخص کا ایک مسجد پر سے گزر ہوا، مسجد کے سامنے ایک انتہائی بوڑھا اور بہت ہی کمزور شخص کھڑا تھا...... جب غریب شخص اس بوڑھے کے پاس سے گزرنے لگا تو اس نے آواز دی۔ چناں چہ وہ غریب بوڑھے کے پاس گیا اور اس سے پوچھا:

"بابا جی! آپ نے مجھے آواز دی؟"

ہاں بیٹے! "میں نے تم کو ہی آواز دی ہے۔" بوڑھے نے کھانستے ہوئے اسے بتایا۔

’’مگر آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟‘‘ غریب نے تعجب سے پوچھا۔

’’بیٹا مجھے تم سے ایک بات کہنی تھی‘‘ بوڑھے نے عاجزی والے انداز میں کہا:

’’ہاں ٹھیک ہے بتائیں! کیا کہنا ہے آپ کو۔‘‘

غریب نوجوان نے بوڑھے سے کہا۔

بوڑھا کہنے لگا! ’’بیٹا تم یہ کھانا یہیں رکھ دو اور مجھے اپنے کندھے پر اٹھاؤ۔‘‘

’’مگر کھانا کیوں رکھوں ......اور آپ کو کیوں اٹھاؤں؟‘‘

غریب نے بے ساختہ کہا۔

بوڑھا کہنے لگا:

ارے بیٹے! ’’میں چل کر جانے کا تو ہوں نہیں اس لیے تم ہی مجھے اٹھا کر کہیں لے جا سکتے ہو اور مجھے اٹھاؤ گے تو پھر کھانا یہیں رکھنا پڑے گا۔‘‘

غریب کو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا چاہتا ہے لیکن غریب کو اس بوڑھے پر ترس آنے لگا چناں چہ اس نے کھانا رکھا اور بوڑھے کو کندھوں پر اٹھا کر چلنے لگا۔

تھوڑی دور جا کر اس نے بوڑھے سے پوچھا: ’’بابا جی آپ کہاں جائیں گے؟‘‘

بوڑھے نے کمزور سی آواز میں جواب دیا:

’’بیٹا میرا کوئی گھر نہیں ہے اس لیے تم مجھے اپنے ہی گھر لے چلو۔‘‘

وہ شخص بوڑھے کے اس جواب پر پریشان ہو گیا اور اپنی تنگ دستی کی وجہ سے

کہنے لگا:

''بابا جی! میں آپ کو اپنے پڑوسیوں کے گھر لے چلتا ہوں وہاں آپ کو کافی سہولت رہے گی جب کہ اپنے گھر لے جانے پر آپ کو پریشانی ہوگی۔''

بوڑھے نے کہا:

''نا بیٹا نا! مجھے تو تم اپنے ہی گھر لے چلو، سونے کو تو جگہ مل جائے گی۔''

غریب کو مجبوراً ایسا ہی کرنا پڑا، چناں چہ وہ بوڑھے کو اپنے ہی گھر لے آیا۔

گھر پہنچ کر غریب نے اپنی بیوی سے کہا:

''سنو! آج میں کھانا نہیں لا سکا ہوں بل کہ یہ محتاج اور بے سہارا بوڑھا شخص مجھے راستے میں مل گیا اور میرے ساتھ آنے کی ضد کرنے لگا چناں چہ مجبوراً میں اسے لے آیا ہوں، اور سنو اگر گھر میں کوئی بچی ہوئی پہلے کی روٹی ہو تو ذرا اس کو گرم کر لو اور کوئی گھی وغیرہ مل جائے تو وہ بھی تھوڑا سا لگا کر اس روٹی کو نرم کر لینا تا کہ ہم اس بوڑھے کو تو کم از کم کھلائیں۔'' غریب کی بیوی کہنے لگی:

''جی اچھا میں ابھی دیکھتی ہوں شاید کوئی روٹی اور کچھ تھوڑا سا گھی مل جائے، چناں چہ وہ تھوڑی ہی دیر بعد ایک روٹی گھی سے نرم کر کے لے آئی اور شوہر کو دے دی۔ شوہر نے خوشی خوشی وہ روٹی بابا کی خدمت میں لے جا کر پیش کی۔

بابا نے اس میں سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا لیا اور باقی روٹی اسے واپس کر دی جسے

ان دونوں نے مل کر کھایا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

اتنے میں بوڑھے نے غریب نوجوان کو آواز دی:

''بیٹا ذرا ادھر آنا۔''

''اچھا جی! ابھی آیا۔'' غریب نے جواب دیا اور پھر وہ اٹھ کر بابا جی کے پاس آ گیا۔ بابا جی نے اسے دیکھتے ہی کہا: ''بیٹا میں بوڑھا آدمی ہوں بغیر بستر کے میرے لیے سونا مشکل ہے اس لیے تم فوراً کسی بستر کا انتظام کر دو۔''

''اچھا بابا جی ابھی لاتا ہوں۔''

یہ کہہ کر غریب اپنی بیوی کے پاس آیا اور اس سے کہنے لگا:

''ہمارے گھر میں ایک ہی بستر ہے اور بوڑھا بابا شاید بغیر بستر کے نہ سو سکے اس لیے کیا خیال ہے اگر آج ہم باہر صحن میں اس چٹائی پر ہی سو جائیں اور بستر بابا کو دے دیں تو کیسا رہے گا؟''

بیوی نے فوراً جواب دیا:

''ہاں! ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔''

چناں چہ پھر شوہر نے جا کر بستر بابا جی کے کمرے میں لگا دیا اور خود صحن میں چٹائی پر سونے کے لیے لیٹ گیا اتنے میں پھر بابا جی نے آواز دی:

''بیٹا! بات سنو!......''

بابا کی آواز سن کر وہ غریب آدمی اٹھا اور بابا کے کمرے میں جا کر پوچھنے لگا: جی بابا! بتائیں کیا کام ہے؟

بوڑھا کہنے لگا:

"بیٹا میں کمزور آدمی ہوں، میرے پاؤں میں درد بھی ہے اس لیے نیند نہیں آرہی تم تھوڑی دیر کے لیے مہربانی کر کے میرے پاؤں دبا دو۔"

غریب آدمی اچھا جی کہہ کر بابا کے پاؤں دبانے لگا۔

جب اسے یقین ہوا کہ اب بابا سو چکے ہیں تو وہ آہستہ سے باہر آیا اور خاموشی سے صحن میں آ کر سو گیا۔

جب فجر کی نماز کے لیے غریب جاگا تو اس نے بیوی کو بھی جگایا اور پھر بوڑھے کو جگانے کے لیے کمرے میں آیا، کمرے میں آ کر غریب نے دیکھا تو بوڑھا موجود نہیں تھا، جب کہ کمرا سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا...... اسے کچھ بھی سمجھ نہ آیا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔

غریب آدمی بابا کی تلاش میں گھر سے باہر نکلا اور محلے کی گلیوں میں اسے دیکھنے لگا لیکن کچھ پتہ نہ چلا پھر اس نے مسجد جا کر نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر دوبارہ محلے کی گلیوں میں اسے تلاش کیا لیکن پھر بھی کچھ معلوم نہ ہوا، چناں چہ واپس گھر آ کر اس نے بیوی کو بتایا کہ اسے بوڑھا نہیں ملا۔

بیوی بھی حیران ہوئی لیکن اسے بھی سمجھ نہ آیا کہ یہ کیا ماجرا ہے...... پھر وہ دونوں سوچنے لگے کہ ان اشرفیوں کا کیا کریں ابھی وہ کمرے میں بیٹھے سوچ ہی رہے تھے کہ بستر پر انہیں ایک چھوٹی سی پرچی نظر آئی جس پر لکھا:

''شاباش میرے بیٹے! تم نے رات میری خدمت کی تھی میں بہت بڑا تاجر ہوں اور یہاں نہیں رہتا بل کہ کسی دوسرے علاقے سے آیا تھا، میری خواہش تھی کہ کسی غریب اور نیک شخص کی مدد کروں، چناں میں کسی غریب کی تلاش میں تھا کہ تم پر نظر پڑ گئی، پھر میں اپنی بے بسی کا بہانہ کر کے تمہارے گھر تک آیا تمہارے گھر کو دیکھنے کے بعد میں اس حقیقت تک پہنچا کہ مجھے تمہاری ہی مدد کرنی چاہیے۔

چناں چہ جوں ہی تم دونوں کی آنکھ لگ گئی تو میں چپکے سے نکلا اور رات ہی رات وہ خزانہ جہاں میں نے دفن کیا تھا وہاں سے نکال کر ایک مزدور کی مدد سے تمہارے گھر لایا ہوں، چوں کہ اس وقت تم دونوں بڑے مزے کی نیند سو رہے ہو اس لیے جگانا مناسب نہیں سمجھا اور اس پرچی کے ذریعے تمہیں اطلاع دے رہا ہوں! بیٹا صبح جب تمہاری آنکھ کھلے تو تم یہ ساری اشرفیاں وصول کر لینا، اور اپنے بوڑھے بابا کو دعاؤں میں نہ بھولنا۔

خدا حافظ بیٹا

فقط والسلام: تمہارا بابا''

شوہر نے جب یہ پرچی پڑھی تو کچھ دیر تک اشرفیوں کو...... بابا کے بستر ے کو ......اور پرچی کو دیکھتا رہا...... کچھ دیر گزرنے کے بعد بیوی کہنے لگی:

یہ ساری اشرفیاں بابا نے ہمیں دے دی ہیں چلو اٹھو اب ہم انہیں پہلے گن لیتے ہیں پھر کہیں محفوظ کرلیں گے۔

بھئی! اتنی ساری اشرفیاں گننا کوئی آسان کام نہیں، میری مانو تو تم پڑوس سے تولنے کے لیے کوئی ترازو لے آؤ ہم اس سے تول کر رکھ لیں گے۔ بیوی بھی اس پر رضامند ہوگئی۔ چناں چہ وہ پڑوس والوں سے ترازو لینے کے لیے چلی گئی۔

غریب آدمی کے برابر میں ایک بہت بڑے تاجر کا مکان تھا، تاجر اور اس کی بیوی دونوں بہت مالدار تھے، لیکن ان دونوں میاں بیوی میں دو خراب عادتیں تھیں۔ ایک عادت تو یہ تھی کہ وہ حسد بہت کرتے تھے، دوسری عادت یہ تھی کہ وہ بخیل اور کنجوس بھی بہت تھے، کبھی کسی کی کوئی مدد نہیں کرتے تھے۔

ان دو عادتوں کی وجہ سے ان میں تکبر بھی آگیا تھا اس لیے وہ غریبوں کو حقیر سمجھتے تھے اور اپنے پڑوس میں رہنے والے غریب آدمی سے بھی ان کو نفرت تھی۔

تاجر اور اس کی بیوی بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی......

تاجر بیوی سے کہنا لگا:

''دیکھو یہ صبح ہی صبح کون آگیا......؟'' تاجر کی بیوی اٹھ کر دروازے تک آئی

دروازہ کھول کر دیکھا تو غریب کی بیوی کھڑی تھی۔

تاجر کی بیوی اسے دیکھ کر حیرت سے پوچھنے لگی:

''ارے! تم...... صبح ہی صبح کیسے آ گئی ہو...... خیریت تو ہے؟''

غریب کی بیوی کہنے لگی:

''ہاں بہن خیریت ہے۔ بس ذرا ہمیں ترازو چاہیے اگر تھوڑی دیر کے لیے مل جائے، میں فارغ ہوتے ہی واپس کر دوں گی۔

تاجر کی بیوی نے کہا: ''اچھا تم یہیں رکو میں ابھی لے آئی۔''

تاجر نے بیوی سے پوچھا: ''کون تھا؟''

بیوی نے جواب دیا: ''وہ غریب کی بیوی ہے ترازو مانگنے آئی ہے، کہہ رہی ہے آج ہی واپس کر دوں گی؟''

ترازو؟...... ترازو لے کر کیا کریں گے وہ لوگ، ان کے پاس تو کچھ تولنے کے لیے نہیں، کیا پتھر تولیں گے...... تاجر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

ہاں میں بھی یہی سوچ رہی ہوں کہ یہ لوگ آج ترازو کیوں مانگ رہے ہیں؟

بیوی نے اپنے شوہر کی تائید کی۔ اور پھر ترازو میں نیچے گوند لگا دی تا کہ وہ لوگ جو چیز تولیں تو وہ ترازو سے چپک جائے اور اس طرح انہیں معلوم ہو جائے گا کہ غریب کی بیوی نے کیا تولا ہے۔

گوند لگا دینے کے بعد تاجر کی بیوی ترازو اٹھا کر لے آئی اور غریب کی بیوی کے حوالے کر دیا...... غریب کی بیوی نے شکریہ ادا کیا اور ترازو لے کر اپنے گھر آ گئی۔

ادھر گھر میں شوہر انتظار میں بیٹھا تھا۔ جوں ہی بیوی پر نظر پڑی فوراً کہنے لگا:

''تم نے بڑی دیر کر دی ہے...... چلو جلدی لے آؤ'' اور پھر وہ دونوں بیٹھ کر اشرفیاں تولنے لگے۔ ساری اشرفیاں تول کر انہوں نے اپنے گھر میں دفن کر دی اور پھر وہ ترازو واپس کرنے کے لیے تاجر کے گھر آئی اور دروازے پر دستک دی۔

تاجر کی بیوی تو پہلے سے ہی انتظار میں تھی۔ دروازے پر آ کر دیکھا کہ غریب کی بیوی ہے اور ترازو دینے آئی ہے۔ غریب کی بیوی نے تاجر کی بیوی کا شکریہ ادا کیا اور ترازو واپس کرنے لگی...... تاجر کی بیوی نے پوچھا۔

''بہن آج کیا تولا ہے آپ لوگوں نے؟''

غریب کی بیوی یہ سوال سن کر بوکھلا گئی...... مگر فوراً سنبھل کر کہنے لگی:

''کچھ نہیں بس ایسے ہی میرے شوہر کو ضرورت تھی؟''

تاجر کی بیوی نے ترازو سے چپکی ہوئی ایک اشرفی دیکھی تو حیران ہو گئی اور تعجب سے کہنے لگی:

''تم لوگوں نے اشرفیاں تولی ہیں؟''

اب غریب کی بیوی بھی پریشان ہو گئی لیکن جواب میں خاموش ہی کھڑی رہی

تاجر کی بیوی اسے دھمکاتے ہوئے بولی:

''تمہیں اتنی ساری اشرفیاں کہاں سے ملی ہیں؟ سچ سچ بتاؤ ورنہ میں اپنے شوہر سے کہہ دوں گی کہ وہ جا کر قاضی کو بتائیں تم لوگوں نے چوری کی ہے۔''

غریب کی بیوی قاضی اور چوری کا نام سنتے ہی گھبرا گئی اور کہنے لگی:

نہیں نہیں بہن! اللہ بچائے چوری کرنے سے آپ بلاوجہ بدگمانی نہ کریں، میں سچ سچ بتا دیتی ہوں۔

ہوا یہ کہ کل رات ہمارے گھر ایک بابا جی مہمان بن کر آئے تھے جنہیں میرے شوہر کسی مسجد کے سامنے سے ان کے ضد کرنے پر اپنے ساتھ لے آئے تھے، پھر غریب کی بیوی نے اُسے سارا واقعہ سنایا اور ترازو دے کر چلی گئی۔

تاجر کی بیوی واقعہ سن کر حسد کی آگ میں جلنے لگی اور پھر اپنے شوہر کے پاس آ کر کہنے لگی:

''کچھ خبر ہے کہ کیا تولا ہے ان غریبوں نے؟''

''کیا تولا ہے؟'' شوہر نے حیرت سے پوچھا۔

''اشرفیاں تولی ہیں اشرفیاں!'' بیوی نے جھلا کر کہا۔

''ارے! اشرفیاں تولی ہیں؟!! اتنی ساری اشرفیاں کہاں سے آئیں ان کے پاس؟'' شوہر نے مزید حیران ہو کر پوچھا۔

اور پھر بیوی نے تاجر کو وہ سارا واقعہ سنایا جو اسے غریب کی بیوی سنا چکی تھی۔

واقعہ سنا کر تاجر کی بیوی کہنے لگی:

''آج تم اس بابا کو کسی مسجد کے آس پاس سے تلاش کر لو اور پھر اسی طرح لانا جیسے وہ غریب لوگ لائے تھے، تم اس غریب کی طرح ایک تھال میں کھانا لے لو اور پھر اس بابا کے سامنے کھانا رکھ کر اسے کندھے پر اٹھا لو اور پھر گھر لے آؤ۔

رات کو ہم اس کی خدمت کریں گے جس کی وجہ سے صبح وہ ہمیں بہت ساری اشرفیاں دے کر چلا جائے گا۔'' بیوی کہے جا رہی تھی اور تاجر سن رہا تھا، جب بیوی بات ختم کر چکی تو شوہر کہنے لگا:

''لیکن میں نے تو اس بوڑھے شخص کو دیکھا نہیں؟''

''تم نے شکل نہیں دیکھی تو کیا ہوا؟ میں تمہیں اس کا حلیہ بتائے دیتی ہوں اور پھر بیوی نے شوہر کو بوڑھے بابا کا حلیہ بھی بتا دیا۔''

چناں چہ شوہر ایک تھال میں کھانا لے کر گھر سے نکلا۔

ایک دو مسجدوں کے سامنے اسے کوئی بھی بوڑھا آدمی نظر نہ آیا اس لیے وہ مایوس ہو کر جانے لگا، راستے میں اس نے سوچا ایک اور مسجد رہ گئی ہے اُسے بھی دیکھ لوں یہ سوچ کر وہ آگے تیسری مسجد دیکھنے چلا گیا۔

تاجر اس مسجد پر پہنچا تو لوگ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکل رہے تھے اور

مسجد کے دروازے کے پاس ہی ایک کمزور اور ادھیڑ عمر آدمی کھڑا تھا...... تاجر نے جوں ہی اس کو دیکھا تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ سوچنے لگا:

ہونہہ!! بالکل یہی ہے وہ...... چہرہ بھی بالکل اس طرح کا ہے...... اور کپڑے تو ہو بہو وہی ہیں۔ تاجر اس بوڑھے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

وہ بوڑھا درحقیقت چور تھا اور شکار کی تلاش میں تھا۔ تاجر سمجھ رہا تھا کہ یہ وہی تاجر ہے جس نے غریب آدمی کو اشرفیاں دیں ہیں۔ وہ بوڑھا آہستہ آہستہ ایک طرف چلنے لگا کہ تاجر اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کھانا نیچے رکھ کر کہنے لگا:

''بابا جی! بابا جی! آپ مجھے یہ کہو! کہ مجھے اپنے کندھے پر اٹھا لو!''

پہلے تو وہ بوڑھا تاجر کی بات سن کر حیران ہوا پھر پوچھنے لگا:

''بیٹے میں تمہیں کیوں یہ کہوں؟...... اور تم ہو کون؟''

تاجر نے کہا: ''ارے بابا جی چھوڑیے ان باتوں کو بس آپ صرف اتنا ہی کہہ دیں کہ مجھے اٹھا لو آخر اس کہنے میں آپ کا کیا نقصان ہے؟''

بوڑھا تھوڑی دیر سوچ کر مسکرانے لگا اور پھر کہنے لگا:

''اچھا بیٹا! تم ضد کرتے ہو تو میں کہہ ہی دیتا ہوں: اٹھا لو مجھے اپنے کندھے پر!''

بوڑھے کا یہ کہنا تھا کہ اس تاجر نے لپک کر اپنے مضبوط ہاتھوں سے بوڑھے کو اٹھایا اور اٹھا کر اپنے کندھے پر بٹھا لیا اور چلنے لگا۔ راستے میں بوڑھا کہنے لگا:

''بیٹا وہ درخت تمہیں نظر آ رہا ہے نا! مجھے اسی طرف ہی جانا ہے مجھے وہاں اتار دو۔'' لیکن جب تاجر اس درخت سے آگے نکل گیا تو وہ بوڑھا کہنے لگا تم تو مجھے کہیں اور لیے جا رہے ہو۔ اتارو! مجھے میں خود چل لوں گا۔ کوئی ضرورت نہیں ہے تمہارے احسان کی۔

تاجر نے سنی ان سنی کر دی اور مسلسل تیز تیز قدموں سے اپنے گھر کی طرف چلنے لگا۔ بوڑھے کو اب غصہ آنے لگا تھا...... اس لیے وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا...... ارے اتارو مجھے! کون ہو تم اور کہاں لیے جا رہے ہو مجھے؟

لیکن تاجر کو جیسے سنائی نہیں دے رہا تھا اور وہ اپنے مضبوط ہاتھوں سے بوڑھے کو پوری قوت سے پکڑ کر اپنے گھر لے جا رہا تھا۔

بوڑھا اب بری طرح غصے میں آ چکا تھا لیکن وہ بے بس تھا اس لیے اس نے شور مچانا شروع کر دیا...... ارے لوگو! بچاؤ مجھے...... چھڑاؤ مجھے اس آدمی سے...... لوگو! میری مدد کرو!!

بوڑھے کی آواز پر بہت سارے آدمی جمع ہو کر تاجر سے کہنے لگے:

''ارے بھائی! چھوڑ دو اس غریب کو کیوں پریشان کر رہے ہو...... تاجر اتنے سارے آدمیوں کو دیکھ کر رکا...... سانس لیا اور پھر ان لوگوں سے کہنے لگا:

''بھائیو! یہ میرے والد ہیں بڑھاپے کی وجہ سے ان کا دماغ چل گیا ہے اس

لیے گھر نہیں آنا چاہ رہے تو اب کیا میں انہیں یونہی چھوڑ دوں؟''

سب لوگوں نے تاجر کی تصدیق کی اور اپنی اپنی راہ لی...... بوڑھا یہ منظر دیکھ کر بالکل ہی مایوس ہو گیا اور خاموش ہو کر آنے والے وقت کو سوچنے لگا۔

رات ہونے لگی تھی کہ تاجر گھر پہنچا، تاجر کی بیوی شدت سے انتظار میں تھی اس لیے اپنے شوہر کو بوڑھے کے ساتھ آتا دیکھ کر کھل اٹھی اور فوراً اگلے منصوبے سوچنے لگی۔

ان دونوں میاں بیوی نے بوڑھے کو بٹھایا اور بہلا کر اس سے کہنے لگے:

''بابا جی اب آپ ہمیں یہ کہیں کہ مجھے سلا دو!''

بابا غصے میں بیٹھا تھا، سخت لہجے میں کہنے لگا:

''کوئی ضرورت نہیں ہے، نہیں سونا مجھے، جانے دو مجھے، میں کہیں اور جا کر سو جاؤں گا''...... لیکن تاجر اور اس کی بیوی تو جیسے بوڑھے کی جان کو آ گئے ہوں اس لیے وہ بوڑھے سے یہی ضد کرتے رہے۔

آخر بوڑھے نے تنگ ہو کر جان چھڑانے کے لیے کہہ دیا۔

''اچھا سلا دو مجھے''، یہ سنتے ہی دونوں میاں بیوی خوشی سے جھوم اٹھے پھر جلدی جلدی بابا کو سلا کر تھوڑی سی خدمت وغیرہ بھی کی اور پھر تھوڑی دیر بعد تاجر اور اس کی بیوی اپنے کمرے میں جا کر سو گئے۔

چوں کہ تاجر دن بھر کا تھکا ہارا تھا اس لیے لیٹتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی، بیوی بھی دن بھر انتظار میں رہنے کی وجہ سے تھک گئی تھی اس لیے وہ بھی سوگئی۔

بوڑھا کچھ دیر تک تو بستر میں کروٹیں بدلتا رہا لیکن اسے نیند نہیں آرہی تھی کیوں کہ وہ دراصل بہت بڑا چور تھا اور اسے آج رات کہیں چوری کرنی تھی۔

اس نے سوچا کیوں نہ چوری کے لیے یہی گھر منتخب کیا جائے۔

یہ سوچ کر وہ آہستہ سے بستر سے اٹھا اور پورے گھر کا ایک چکر کاٹا۔ اسے یہ دیکھ کر مزید اطمینان ہوگیا کہ دونوں میاں بیوی گہری نیند سو رہے تھے اور ہر چیز سے بے خبر تھے۔ اب اس نے پورے گھر کی تلاشی لینا شروع کردی۔

تاجر چوں کہ بہت مالدار تھا اور سارا مال اور زیورات اپنے پاس گھر میں رکھا کرتا تھا بوڑھے چور نے صبح ہونے سے پہلے ہی گھر کی ساری دولت، زیورات، اور بہت ساری قیمتی چیزیں سمیٹ لیں اور ان سب قیمتی زیورات وغیرہ کو لے کر رفو چکر ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

صبح تاجر کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنی بیوی کو بھی جگایا، اور پھر دونوں تیزی سے بوڑھے کے کمرے کی طرف آئے لیکن جب انہوں نے کمرے میں آکر دیکھا تو کمرہ بالکل خالی...... دونوں حیران و پریشان ایک دوسرے کو دیکھنے لگے...... جیسے وہ خواب دیکھ رہے ہوں...... مایوس ہو کر وہ دونوں وہاں سے باہر نکلے تو پورے گھر کا

نقشہ بدلا ہوا پایا، کیوں کہ وہ بوڑھا گھر کی ساری قیمتی چیزیں اٹھا کر لے گیا تھا۔

تاجر نے جلدی جلدی باہر آ کر معلوم کرنا شروع کیا لیکن مایوسی ہوئی کیوں کہ لوگ اسے نہ جانتے تھے......اب وہ دونوں بیٹھے اپنی حالت پر افسوس کر رہے تھے اور وہ جان چکے تھے کہ انہیں حسد کی سزا ملی ہے، لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے حسد سے توبہ کر لی۔

پیارے دوستو! حسد بری بلا ہے۔ حسد یہ ہے کہ آپ نے کسی دوست کے پاس کوئی چیز دیکھی، اب آپ یہ اعتراض کریں کہ یہ چیز اس کے پاس کیوں آ گئی......اس کے پاس سے ختم ہو جانی چاہیے......یا مجھے ملنی چاہیے تو یہ حسد ہے۔

حسد انسان کو اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے......اس کا نقصان صرف حسد کرنے والے کو ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس سے بچنا چاہیے، اور کسی سے حسد نہیں کرنا چاہیے۔

انمول ذخیرہ

سؤال ④: سب سے پہلے کس صحابی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر پھینکا؟

جواب: ....

سؤال ⑤: بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے صحابی کون ہیں؟

جواب: ....

سؤال ⑥: ''حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' ایک مشہور صحابی کی کنیت ہے۔آپ ان کا نام بتایئے کیا ہے؟

جواب: ....

حل تو کریں

③ منہ سے تو وہ کچھ نہ بولی — اک اک بات مگر ہے کھولی
ہے وہ علم کا ایک خزانہ — رکھے پاس اُسے ہر دانا

④ پل بھر میں آسمان پر جائے — اس سے پہلے کوئی نہ جائے

ہنسئے مت

* طارق: آؤ یار کہیں گھومنے چلتے ہیں۔

احمد جواب میں:

گھومنے کے لیے کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے؟

یہیں کھڑے کھڑے گھوم لو۔

* دانتوں کا ڈاکٹر مریض سے: منہ کھولو۔

مریض: کھول تو دیا ہے۔

ڈاکٹر: اور کھولو!

مریض: کیا اندر منہ میں بیٹھ کر دانت نکالو گے؟

شیر اور تین گائیں

کسی جنگل میں تین گائیں اکٹھی رہتی تھیں۔ ان میں سے ایک سفید رنگ کی جب کہ باقی دونوں لال اور بھورے رنگ کی تھیں۔ جنگل میں ان کے کھانے کے لیے لمبی لمبی سرسبز شاخیں تھیں اور پینے کے لیے ایک صاف، بہتا ہوا چشمہ تھا۔

وہ تینوں آپس میں خوب اتفاق و محبت سے زندگی گزارتی تھیں، جب بھی کوئی جانور ان پر حملہ کرتا تو وہ تینوں مل کر اس کا مقابلہ کرتی تھیں اور اُسے بھاگنے پر مجبور کر دیتی تھیں۔

ایک دن ایک شیر چلتے چلتے اس جنگل کی طرف آ نکلا، سرسبز و شاداب جنگل شیر کو بہت ہی اچھا لگا، شیر ابھی اس جنگل میں رہنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک شیر کی نظر ان تین گائیوں پر پڑی۔

آ ہا! تین تین موٹے تازے شکار...... لیکن انہیں کیسے شکار کیا جائے ...... یہ تینوں مل کر لڑتی ہیں ...... چلو کوئی ترکیب لڑاتے ہیں۔ شیر نے اپنے دل میں سوچا۔ پھر شیر نے فوراً آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر شیر نے عاجزی کے ساتھ ان سے کہا:

"اے خوب صورت گائیو! کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ میں کچھ دن اس جنگل میں تمہارا مہمان بن کر رہوں؟"

ان تینوں نے پہلے کچھ دیر سوچا پھر ایک دوسرے سے کہنے لگیں:

ہم تین ہیں اور یہ اکیلا ہے، یہ اگر رہے بھی تو ہمارا کیا بگاڑے گا۔

اس لیے انہوں نے خوشی سے شیر کو وہاں رہنے کی اجازت دے دی۔

پھر شیر اور تینوں گائیں ایک ہی جنگل میں رہنے لگے، گائیں تو وہی سبز ٹہنیاں کھاتیں تھیں جب کہ شیر چھوٹے موٹے جانوروں پر گزارا کرتا تھا اور ان گائیوں کو کھانے کی فکر میں لگا رہتا تھا۔

چھوٹے چھوٹے جانوروں کو جب شیر کا علم ہوا تو وہ آہستہ آہستہ اس جنگل سے نکل کر دوسرے جنگل جانا شروع ہوگئے۔ اب شیر کو بہت مشکل سے کوئی چھوٹا جانور ملتا تھا...... کیوں کہ اکثر جانور جنگل چھوڑ چکے تھے...... شیر کو اب کئی کئی دن تک بھوکا رہنا پڑتا تھا۔

ایک دن شیر سوچنے لگا:

کاش یہ گائیں تین کی بجائے ایک ہی ہوتی تو میں مزے لے لے کر اسے کھا جاتا، لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ تین ہیں اور میں اکیلا ان تین سے نہیں لڑ سکتا۔

اس لیے وہ غور کرنے لگا کہ کیا کیا جائے؟

پھر اچانک ایک تدبیر اس کے ذہن میں آئی اور وہ خوشی سے اچھلنے لگا، تدبیر اس نے یہ سوچی کہ میں ان تینوں گائیوں کا آپس میں اتفاق ختم کر کے ان کو ایک دوسرے سے الگ کر دوں گا پھر ایک ایک کر کے ان کو کھا لوں گا۔

چناں چہ ایک دن شیر لال گائے اور بھوری گائے کے پاس آیا اور ان دونوں سے خوب اچھی اچھی باتیں کیں پھر شیر نے اپنے پروگرام کے تحت ان سے کہا:

''یہ سفید رنگ کی گائے ہم سب کے لیے بہت بڑی مصیبت ہے کیوں کہ اس کا رنگ سفید ہے، اور سفید رنگ دور سے اچھی طرح نظر آتا ہے۔ جب کہ میرا اور تمہارا رنگ دور سے نظر نہیں آتا۔''

شیر یہاں تک کہہ کر رُکا پھر ان کی طرف دوبارہ جھک کر کہنے لگا:

''اب اگر کسی انسان نے دور سے بھی اس سفید گائے کو دیکھ لیا تو وہ اسے پکڑنے آئے گا، اور جب وہ انسان جنگل آئے گا تو اسے ہم بھی نظر آ جائیں گے، پھر وہ ہم سب کو پکڑ کر مار ڈالے گا یا قید کر کے لے جائے گا۔''

بھوری گائے اور کالی گائے شیر کی بات سن کر خوفزدہ ہو گئیں اور سوچنے لگیں:

واقعی! اگر کسی انسان نے سفید گائے کو دیکھ لیا تب تو ہم سب پھنس جائیں گے۔

انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ اتنے عرصے سے وہ ایک ساتھ رہ رہی ہیں اور ہر خطرے کا مل جل کر مقابلہ کرتی ہیں، اب بھی اگر کوئی دشمن دیکھے گا تو ہم مل کر اس

سے مقابلہ کریں گی، بل کہ وہ شیر کی باتوں میں آگئیں اور پھر اس کے بعد شیر سے کہنے لگیں:

بھائی شیر! تمھاری بات واقعی ٹھیک ہے لیکن اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

شیر نے جب دیکھا کہ یہ دونوں گائے اس کی باتوں میں آگئی ہیں تو پھر اس نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

اس نے ان دونوں گائیوں سے کہا:

یہ بات تم دونوں مجھ پر چھوڑ دو کیوں کہ میں اسے قتل کر کے ختم کرسکتا ہوں۔ ان دونوں نے شیر کی بات مان لی کہ شیر اُسے مار دے۔

پھر شیر نے ان دونوں کے سامنے اس سفید گائے پر حملہ کیا اور اسے کھالیا، کالی اور بھوری گائے نے سفید گائے کی کچھ بھی مدد نہ کی۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد شیر نے اگلے شکار کے بارے میں سوچا، اس کا اگلا نشانہ کالی گائے تھی۔ پھر شیر بھوری گائے کے پاس آ کر کہنے لگا:

اے بھوری گائے! میرا رنگ اور تیرا رنگ بالکل ایک جیسا ہے، اس لیے ہم دونوں دور سے شیر نظر آتے ہیں، دور سے ہمیں جو بھی دیکھے گا وہ ہم دونوں کو شیر سمجھ کر ڈر جائے گا۔ لیکن یہ جو کالی گائے ہے ہمارے لیے مسئلہ ہے، کیوں کہ اس کا رنگ بالکل بھی ہمارے رنگ کی طرح نہیں ہے۔ اس لیے اس گائے کو دور سے دیکھ کر

انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ یہاں کوئی گائے ہے، اس کی وجہ سے ہم دونوں بھی خطرے میں ہیں۔

بھوری گائے شیر کی بات سن کر اب بھی نہ سمجھی کہ اصل میں ان کا دشمن شیر ہے اور وہ ان کو بھی ختم کر دینا چاہتا ہے۔ وہ اسے دوست سمجھ کر اس سے اس مسئلے کا حل پوچھنے لگی:

بھائی شیر! اب کیا کریں؟

کرنا کیا ہے!! میں ابھی اسے ختم کر دیتا ہوں، پھر میں اور تم اس جنگل میں سارے جانوروں پر حکومت کریں گے، اور کوئی بھی ہمارے قریب پھٹکنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔

بھوری گائے نے شیر کو اجازت دے دی اور پھر شیر نے سفید گائے کی طرح کالی گائے پر بھی حملہ کر کے اُسے کھا لیا۔

پھر شیر اور بھوری گائے جنگل میں اکیلے رہنے لگے۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ایک دن شیر نے بھوری گائے سے کہا:

مجھے بھوک لگ رہی ہے، اور جنگل میں کھانے کے لیے اب تیرے علاوہ کچھ بچا ہی نہیں اس لیے اب میں تجھے ہی کھاؤں گا۔

گائے نے گھبرا کر شیر سے کہا: مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

"تم تو کہہ رہے تھے ہم دونوں دوست رہیں گے، اب تم مجھے کیوں کھاؤ گے؟"

شیر نے گائے کے بھولے پن پر مسکراتے ہوئے کہا:

اے بھولی بھالی گائے تم کس چکر میں پڑی ہوئی ہو، بھلا کبھی شیر اور گائے کی بھی دوستی ممکن ہے، شیر تو گائے کو شکار کر کے کھاتا ہے۔

پھر شیر نے دھاڑتے ہوئے گرج دار آواز میں کہا:

تیار ہو جاؤ! میں تمہیں کھانے لگا ہوں۔ اب گائے سوچنے لگی کہ کاش وہ میری دو بہنیں آج زندہ ہوتی تو شیر کبھی بھی مجھے شکار نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن آج بھوری گائے بالکل اکیلی تھی، اور اس کی کوئی بھی مدد کرنے والا نہ تھا۔

اب اُسے سمجھ آیا کہ شیر کا مقصد در حقیقت ان تینوں کو کھانا تھا، اسی لیے اس نے پہلے ان تینوں کو جدا کیا پھر ایک ایک کر کے تینوں کو شکار کیا۔

بھوری گائے بری طرح پچھتا رہی تھی مگر اب پچھتانے کا کیا فائدہ تھا۔ بھوری گائے کو اب یقین ہو گیا تھا کہ وہ کسی بھی طرح نہیں بچ سکتی پھر وہ شیر سے کہنے لگی: میں ایک آخری بات کرتی ہوں پھر تم چاہو تو مجھے کھا لینا۔ گائے نے کہا:

"اے لوگو! مجھے آج مارا جا رہا ہے لیکن حقیقت میں میری موت اُسی دن ہو گئی تھی جس دن میری بہن سفید گائے کو کھا لیا گیا تھا۔"

اس کے فوراً بعد شیر نے حملہ کیا اور چند لمحوں میں بھوری گائے کا صفایا کر دیا۔

دیکھا بچوں آپ نے! جب تک تینوں گائیں آپس میں پورے اتفاق واتحاد سے رہیں تو شیر تینوں میں سے کسی گائے کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا، لیکن جب لال گائے اور بھوری گائے نے شیر کی بات مان لی اور سفید گائے کو اکیلا چھوڑ دیا تاکہ شیر اس کو کھا جائے اور لال گائے بھوری گائے دونوں بچ جائیں، تو وہیں سے ان کے اتفاق و اتحاد کا خاتمہ ہوگیا اور بعد میں وہ دونوں بھی نہیں بچ سکیں اس لیے کہ لال گائے اور بھوری گائے نے سفید گائے کو اکیلا چھوڑ کر خود ہی اپنے اتفاق واتحاد کو ختم کردیا تھا۔

پیارے بچوں! اس کہانی سے یہ سبق ملا کہ آپس میں خوب مل جل کر رہیں اور دوسروں کی باتوں پر بغیر سوچے سمجھے...... بڑوں سے بغیر مشورہ کیے...... بالکل بھی عمل نہ کریں، کیوں کہ ہوسکتا ہے اس طرح سامنے والا آپ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہو اور آپ اس کی چالاکی کو سمجھ نہ سکیں۔

اس لیے آپ آپس میں مل جل کر خوب اتفاق و اتحاد سے رہیں اور ہر بات پر اپنے امی ابو...... اساتذہ...... وغیرہ سے پوچھ کر عمل کریں، اسی میں فائدہ اور کامیابی ہے۔

ظالم بادشاہ اور بہادر لڑکا

پرانے زمانے کی بات ہے کہ کسی ملک میں ایک کافر بادشاہ کی حکومت تھی، وہ لوگوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتا تھا۔ اس بادشاہ کے پاس ایک بوڑھا جادوگر بھی تھا جو بہت سے مختلف جادوئی کرتب دکھایا کرتا تھا۔ بادشاہ لوگوں سے یہ جھوٹ بولا کرتا تھا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں۔

لوگ جب بادشاہ سے کہتے کہ تم کیسے رب ہو؟ تم تو ہماری ہی طرح کے آدمی ہو، اگر تم کوئی ایسا کام کر کے دکھاؤ جو ہم نہیں کر سکتے تو پھر ہم تمہیں رب مانیں گے ورنہ نہیں۔ تو بادشاہ اس جادوگر سے کہتا:

''اے بوڑھے جادوگر! جلدی کرو!! کوئی کرتب دکھاؤ ورنہ لوگوں کو میری حقیقت کا پتہ چل جائے گا...... پھر نہ میں رہوں گا...... نہ تم اور نہ ہی میری جھوٹی خدائی۔''

چناں چہ وہ جادوگر چھپ کر کرتب دکھا دیتا۔ دن گزرتے گئے اور بادشاہ کی بادشاہی اور جھوٹی خدائی جادوگر کی وجہ سے برقرار رہی، لیکن اب وہ جادوگر بہت زیادہ بوڑھا اور مرنے کے قریب ہو گیا تھا۔

اس وجہ سے بادشاہ بہت اداس رہنے لگا تھا، اسے کھانے پینے میں بھی مزہ نہیں

آتا تھا، بل کہ اسے تو رات کو نیند بھی نہیں آتی تھی، دن رات اسے یہی فکر سوار رہتی تھی کہ اگر یہ بوڑھا جادوگر مر گیا تو میرا کیا بنے گا......؟ یہ سوچتے ہی اس کی ساری خوشیاں اڑ جاتیں۔

بادشاہ آئندہ دنوں کے بارے میں ہر وقت یہ غور و فکر کرنے لگا کہ میں ایسا کیا حل نکالوں کہ بوڑھے جادوگر کے بعد بھی میرا جھوٹ چلتا رہے اور میں مزے کرتا رہوں۔ بہت دنوں تک غور و فکر کرنے کے بعد بھی جب بادشاہ کسی نتیجے پر نہ پہنچا تو اس نے بوڑھے جادوگر کو بلایا اور اس سے کہا:

''اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم بس چند دنوں کے مہمان ہو، اور جب تم مرو گے تو مجھے بھی ذلیل و رسوا کرو گے۔ کیوں کہ میں تو تمہارے ہی جادو کی وجہ سے لوگوں کے سامنے جھوٹا خدا بنا رہا ہوں اور اب تمہارے مرتے ہی ساری حقیقت سامنے آجائے گی۔

پھر اس وقت یہ لوگ میرا جو حشر کریں گے ...... میں تو یہ سوچتے ہی مرنے لگتا ہوں۔ اب تم ہی بتاؤ، کیا تمہارے پاس میری اس پریشانی کا کوئی حل ہے؟''

جادوگر نے بادشاہ سے کہا:

''تم کسی ذہین بچے کو تلاش کر کے میرے حوالے کر دو، میں چند ہی دنوں میں اسے اپنا سارا جادو سکھا دوں گا، اور جب وہ جادو سیکھ جائے تب تم اسے میری جگہ

دے دینا، یوں تمہاری بادشاہی اور جھوٹی خدائی باقی رہے گی۔

بادشاہ نے جب یہ تدبیر سنی تو وہ بہت خوش ہوا اور اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

چناں چہ ملک بھر میں ذہین بچے کی تلاش شروع کروادی گئی۔ کچھ ہی عرصے بعد تامر نامی شخص کا بیٹا ''عبداللہ'' تلاش کرلیا گیا جس میں دوسری خوبیوں کے ساتھ ساتھ ذہانت بھی موجود تھی چناں چہ بادشاہ نے وہ بچہ جادوگر کے سپرد کردیا۔

عبداللہ کے گھر سے تھوڑا سا آگے چل کر ایک مکان تھا، جس میں ایک مسلمان رہتا تھا جس کا نام ''فیمون'' تھا۔ ''فیمون'' بہت نیک آدمی تھا اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا تھا۔

عبداللہ روزانہ صبح جب جادوگر کے پاس جاتا تھا تو فیمون کے گھر کے سامنے سے گزرتا اور انہیں عبادت کرتا ہوا دیکھتا تو اسے فیمون کے عبادت کرنے کا انداز بہت اچھا لگتا۔ پھر عبداللہ جادوگر کے گھر سے واپسی پر فیمون کے پاس جانے لگا۔ عبداللہ فیمون سے دین کی بہت ساری اچھی اچھی باتیں بھی سیکھ چکا تھا۔

ایک دن عبداللہ نے دیکھا کہ لوگ کھڑے ہیں اور راستہ بند ہے عبداللہ نے قریب آکر دیکھا تو پتا چلا کہ ایک شیر راستے کے درمیان میں لیٹا ہوا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے آنے جانے کا راستہ بند ہے۔ عبداللہ نے دل ہی دل میں دعا کی:

''اے اللہ! اگر تیرا بندہ ''فیمون'' سچا ہے اور جادوگر جھوٹا ہے تو تو میرے پتھر

سے اس شیر کو ہلاک فرمادے۔''

ساتھ ہی اس نے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھایا اور شیر کو مارنے کے لیے آگے بڑھا، لوگوں کو تعجب ہونے لگا کہ اس اتنے سے چھوٹے پتھر سے شیر کا کیا بگڑے گا۔

عبداللہ نے آگے بڑھ کر اللہ کا نام لیا اور وہ پتھر شیر کی طرف پھینکا، جوں ہی پتھر شیر کے لگا، شیر تڑپنے لگا اور تھوڑی دیر تڑپ کر مر گیا۔ لوگوں کو بڑی حیرانگی ہوئی۔ چناں چہ سب لوگ عبداللہ کے ارد گرد جمع ہونے شروع ہو گئے اور ہر ایک کی نظروں میں سوال تھا کہ یہ کیسے ہوا؟

عبداللہ نے لوگوں کو بتایا:

میں ایک عرصے سے ایک نیک آدمی کے ہاں جاتا رہا ہوں اور ساتھ ہی ایک جادوگر کے ہاں بھی، مجھے اس نیک آدمی کی عادتیں اچھی لگیں، آج میں نے دل ہی دل میں دعا کی تھی کہ اے اللہ! اگر وہ نیک آدمی واقعی حق پر ہے تو تو اس پتھر سے شیر کو ہلاک کر دے۔

عبداللہ بولے جا رہا تھا اور لوگوں کی حیرت بڑھتی چلی جا رہی تھی، عبداللہ نے لوگوں کو یہ بھی بتایا کہ وہ اب اس نیک آدمی کے دین میں داخل ہو چکا ہے یعنی مسلمان ہو چکا ہے، عبداللہ کی بات جوں ہی ختم ہوئی سب لوگوں نے عبداللہ کی بہت تعریف کی اور شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے شیر سے ان سب لوگوں کو نجات دلائی۔

عبداللہ کی شہرت بڑھنے لگی تھی وہ لوگوں کو "فیمون" کے دین کے بارے میں بتاتا تھا اور ساتھ ہی ان کو ترغیب بھی دیا کرتا تھا۔ اسی طرح عبداللہ کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ نے شفا بھی رکھی تھی، وہ جس مریض کے لیے بھی دعا کرتا وہ ٹھیک ہو جاتا تھا غرض تھوڑے ہی عرصے میں عبداللہ کی شہرت پورے ملک میں پھیل چکی تھی۔

عبداللہ نے یہ ساری باتیں "فیمون" کو بھی ایک دن بتا دیں۔

فیمون نے عبداللہ کی بات سن کر کہا:

"بیٹے! تمہیں معلوم ہی ہے کہ یہ ملک کافروں کا ملک ہے اور بادشاہ بھی کافر ہے اور مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائے۔"

لیکن عبداللہ کو بس ایک ہی فکر تھی کہ وہ ضرور سب لوگوں کو مسلمان بنائے گا اس لیے اس نے فیمون سے کہا:

"میں ضرور سب لوگوں کو مسلمان بناؤں گا۔"

عبداللہ نے مزید کہا:

"اگر مجھ پر کوئی مشکل آئی تو میں آپ کا نام ہرگز نہیں بتاؤں گا۔"

بادشاہ کا ایک وزیر آنکھوں کا پانی بہنے کی وجہ سے اندھا ہو چکا تھا اور بہت پریشان علاج کے لیے مارا مارا پھر رہا تھا۔ اسے کسی نے عبداللہ کے بارے میں بتایا کہ اس لڑکے کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ نے بڑی شفا رکھی ہے۔ وزیر یہ سن کر عبداللہ

کے پاس آیا اور اپنی پریشانی بتائی ساتھ میں وزیر نے یہ بھی کہا:

''میں نے سنا ہے کہ تم مریضوں کا علاج کرنے لگے ہو اس لیے مہربانی کر کے میری مشکل دور کر دو۔''

وزیر کی بات سن کر عبداللہ نے کہا:

''شفا دینے والا میں نہیں ہوں، اصل شفا دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں اور وہ ہی سب کے رب ہیں۔ اس لیے تم اگر ایمان لاؤ گے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری آنکھیں اللہ تعالیٰ ٹھیک کر دے گا۔''

عبداللہ کے کہنے پر وزیر ایمان لے آیا، اور پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی آنکھیں بھی ٹھیک ہو گئیں۔

پھر ایک دن جب وہ وزیر بادشاہ کے دربار میں آیا تو بادشاہ اسے دیکھ کر چونک اٹھا اور پوچھا:

''یہ کیسے ہوا؟ کس نے تمہاری آنکھیں ٹھیک کیں؟''

وزیر نے جواب دیتے ہوئے کہا:

''میری آنکھیں میرے رب نے ٹھیک کی ہیں اور میرا رب اللہ ہے۔''

بادشاہ نے حیرت سے کہا:

''تمہارا رب تو میں ہوں۔''

وزیر نے کہا: ''نہیں! نہیں! توبہ! توبہ! تم کیسی باتیں کر رہے ہو تم تو بس ایک معمولی انسان ہو، رب تو اللہ تعالیٰ ہے اور ہم سب کا وہی ایک رب ہے۔''

بادشاہ نے وزیر سے پوچھا۔

یہ باتیں تجھے کس نے سکھائی ہیں؟ مجھے اس کا نام بتاؤ۔

وزیر نے بادشاہ سے کہا:

''میں احسان کا بدلہ برائی سے دینے والا نہیں ہوں، جس نے مجھے یہ باتیں سکھائی ہیں اس نے مجھ پر احسان عظیم کیا ہے، اس لیے میں تمہیں ہرگز اس کا نام نہیں بتاؤں گا۔''

بادشاہ نے سپاہیوں کو آواز دے کر کہا:

''لے جاؤ اس وزیر کو میرے سامنے سے اور جب تک یہ اس آدمی کا نام نہ بتائے، اسے مارتے رہو۔''

باہر کچھ لالچی آدمیوں نے جب یہ سنا کہ بادشاہ عبداللہ کی تلاش میں ہے تو انہوں نے جا کر عبداللہ کا نام بادشاہ کو بتایا اور باقی ساری باتیں بھی بتائیں۔

بادشاہ نے فوراً سپاہی بھیجے، وہ سپاہی کچھ ہی دیر بعد عبداللہ کو پکڑ کر لے آئے۔

بادشاہ عبداللہ کو دیکھ کر چونک اٹھا، اور وہ سوچنے لگا کہ اس بچے کو تو جادو سیکھنے کے لیے میں نے خرید اتھا۔

چناں چہ بادشاہ نے عبداللہ سے پوچھا:

''تم وہی ہونا جسے میں نے جادوگر کے حوالے کیا تھا؟''

عبداللہ نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا: ''ہاں میں وہی عبداللہ ہوں۔''

بادشاہ نے دوسرا سوال پوچھا:

''تو پھر تم نے یہ باتیں کہاں سے سیکھی ہیں؟''

عبداللہ نے بادشاہ کو جواب میں کہا:

''یہ راز کی بات ہے اور یہ تم نہیں جان سکو گے۔''

بادشاہ نے سپاہیوں سے کہا:

''لے جاؤ اسے اور پہاڑ سے گرا کر ختم کر دو کہ اس کی ہڈیاں بھی نہ رہیں۔''

سپاہی عبداللہ کو پہاڑ پر لے گئے، پہاڑ پر چڑھنے کے بعد عبداللہ نے دعا کی:

''اے اللہ! مجھے ان سے نجات دلا، جوں ہی عبداللہ نے دعا مانگی وہ سارے سپاہی پہاڑ پر سے گر کر مر گئے۔''

بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے عبداللہ کو دوبارہ گرفتار کروایا اور اس مرتبہ بادشاہ نے عبداللہ کو سمندر میں پھینک آنے کا حکم دیا۔

چناں چہ چند سپاہی اسے کشتی میں بٹھا کر سمندر میں لے گئے، وہاں پھر عبداللہ نے دعا کی اور وہ سارے سپاہی ڈوب گئے صرف ایک اکیلا عبداللہ بچا۔

پھر عبداللہ نے بادشاہ سے کہا:

''تم پورے شہر کے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرو! پھر میں تمہیں اپنے قتل کا طریقہ سمجھاؤں گا ورنہ تم مجھے قتل نہیں کر سکو گے۔''

چناں چہ اگلے دن میدان میں سر ہی سر نظر آ رہے تھے اور بچے بوڑھے، مرد، جوان سب ہی میدان میں جمع تھے، اتنے میں عبداللہ نے بادشاہ سے کہا:

''تم مجھے تیر مارو اور ساتھ یہ کہو:

''اللہ کے نام سے جو ہم سب کا رب ہے''

اس طرح کرنے سے میں مر جاؤں گا۔''

چناں چہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور تیر مارا، جس سے عبداللہ بن تامر شہید ہو گیا۔ سب لوگوں پر سناٹے کی کیفیت چھائی ہوئی تھی، کچھ ہی دیر بعد سب لوگوں نے میدان میں آوازیں بلند کرنی شروع کر دیں اور کہا:

''ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں۔''

اس پر اس ظالم بادشاہ نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا کہ بڑی بڑی خندقیں کھودو اور ان میں آگ بھڑکاؤ اور جو بھی میری بات سے انکار کرے اور مسلمان ہو جائے تو اس کو ان خندقوں میں ڈال دو۔

چناں چہ بہت زیادہ خندقیں کھود کر ان میں خوب تیز آگ جلائی گئی لیکن لوگوں پر

دشاہ کے اس ظلم کا کوئی اثر نہ ہوا، کیوں کہ وہ جان چکے تھے کہ سچ وہی ہے جو عبداللہ نے کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ ہی سب کا رب ہے" باقی یہ بادشاہ اور اس کی بادشاہت سب دھوکہ ہے۔

پیارے بچو کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے پارہ نمبر 30 میں "سورۂ بروج" میں ذکر کیا ہے اور یہ واقعہ "اَصْحَابُ الْاُخْدُوْد" کے نام سے مشہور ہے[1] اور اس میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کو کامیاب کرے گا اور ان کو اس میں ایسے سرسبز و شاداب باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور جن لوگوں نے ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس پر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لیے دوزخ ہے اور ان کو آگ میں جلنے کا عذاب ہوگا۔

اس لیے پیارے بچوں! آپ بھی یہ نیت کریں کہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کریں گے...... نماز پابندی سے پڑھیں گے...... امی ابو کو تنگ نہیں کریں گے ٹی وی نہیں دیکھیں گے اور اسی طرح کسی پر ظلم نہیں کریں گے...... کسی کو تکلیف نہیں دیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے اور ہمیں جنت میں داخل کر دے۔

---

[1] نوٹ: یہ ایک تاریخی واقعہ ہے اس کو مختلف تفاسیر و تاریخ کی کتابوں سے مدد لے کر مرتب کیا گیا ہے، یہ تفصیلات و جزئیات حتمی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم از مرتب۔

انمول ذخیرہ

سوال ⑦: سب سے پہلے ''قاضی القضاۃ'' یعنی چیف جسٹس کا لقب کسے ملا؟

جواب: ....

سوال ⑧: اردو کا پہلا اخبار کس مسلمان بادشاہ کے حکم پر شروع کیا گیا؟

جواب: ....

سوال ⑨: عربی حروف تہجی میں وہ کون سے حروف ہیں جو الٹے سیدھے، ہر طرح صحیح پڑھے جاتے ہیں؟

جواب: ....

حل تو کریں

❺ جب آئے شور مچائے آپ کو اپنے پاس بلائے

❻ چلتا ہے تو تھکتا نہیں پر ہیں مگر اڑتا نہیں

ہنسئے مت

* سرکس کے مالک نے اعلان کیا کہ آج سرکس میں داخلہ مفت ہے۔
یہ اعلان سنتے ہی لوگوں کی ایک بڑی تعداد سرکس میں داخل ہوگئی۔
جب پروگرام ختم ہوا تو منیجر نے باہر نکلنے والا گیٹ بند کر دیا اور اعلان کیا:
''سرکس دیکھنے کا کوئی ٹکٹ نہیں باہر جانے کا ٹکٹ ۱۰ روپے فی آدمی ہے۔''

* دو چور ایک مکان میں داخل ہوئے۔
ایک کی نظر تصویر پر پڑی تو وہ فوراً چیخ کر بولا: ''بھاگو! یہ تو عالمی باکسر کا گھر ہے۔''
دوسرا بے فکری سے بولا:
''فکر نہ کرو وہ پچاس لاکھ روپے سے کم میں لڑنے پر تیار نہیں ہوگا۔''

چیونٹیوں کی دنیا

''چلو بیٹا جلدی سے اٹھ جاؤ، اسکول جانے کی تیاری کرلو۔ دیر ہو جائے گی آپ سے بہت پہلے دنیا کی ساری مخلوق، چرند پرند اٹھ گئے ہیں اور آپ فجر پڑھ کر ابھی تک سوئے ہوئے ہیں چیونٹی بھی آپ سے اچھی ہے۔''

ہم جواب تھوڑی دیر اور بیٹھے بیٹھے سونے کی کوشش کر رہے تھے والد صاحب کے ان جملوں کو سن کر جلدی سے اٹھ گئے۔ اور اسکول کی تیاری میں مگن ہو گئے۔ والد صاحب روزانہ ہمیں یہ جملے کہہ کر اٹھاتے تھے۔ یہ ساری باتیں ہمیں تسلیم تھیں لیکن آخری بات کہ والد صاحب چیونٹی کو ہم سے اچھا کہتے تھے۔ یہ ہمیں منظور نہیں تھا۔ بھلا اتنی ننھی سی مخلوق ہم سے کیسے اچھی ہوسکتی ہے۔ ہم دل میں سوچتے رہے پھر تیاری مکمل کر کے ناشتہ کیا اور اسکول پہنچ گئے۔

''ہاف ٹائم'' میں ہماری نظر ایک کتاب پر پڑی جو ہمارے دوست کے ہاتھ میں تھی اور اس پر چیونٹی کا نام بھی ہمیں نظر آیا، ہم فوراً اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور اپنے دوست عمران کے پاس پہنچے جو بڑے انہماک سے کتاب پڑھنے میں مگن تھا، اتنے میں کامران بھی عمران کے دوسری طرف آ کر بیٹھ گیا اور عمران کو اس قدر کتاب

پڑھنے میں مصروف دیکھا تو کہا:

بھئی ابھی [illegible] شروع نہیں ہوا ہے جو آپ اس جوش و خروش سے کتاب کا مطالعہ کر [illegible] کچھ کھا کر آتے ہیں بل کہ آج تم دونوں میری طرف سے چکن [illegible] کی دعوت قبول کرو۔

عمران جو پہلے کامران کی آواز سن کر کتاب پڑھنے میں دخل اندازی پر ناگواری سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا، چکن سینڈوچ اور جوس کا سن کر خوشی سے کھڑا ہو گیا اور ایک زوردار نعرہ لگایا:

''کامران! زندہ باد'' اور پھر اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگا:

ہاں یار چلو جلدی سے! بڑی بھوک لگ رہی ہے ایسا نہ ہو ہاف ٹائم ختم ہو جائے، صبح بھی میں نے اس کتاب کی وجہ سے صحیح طرح ناشتہ نہیں کیا تھا۔

ہم دونوں نے عمران سے پوچھا: کیوں جناب ایسا کس طرح ہو گیا؟

[illegible]

[illegible] زبردست ہے، کل جب چھٹی میں آپ نے مجھے یہ کتاب دی تھی تو میں نے گھر جا کر ہوم ورک وغیرہ سے فارغ ہو کر یہ کتاب پڑھنا شروع کر دی، یہ اتنی دل چسپ تھی کہ میں شام تک اسے ہی پڑھتا رہا، کھیلنے بھی نہیں گیا اور فجر کے بعد بھی، جب ابو میرے کمرے میں آئے اور مجھے یوں کتاب میں غرق پایا تو

حیرت سے دیکھا اور کہا:

عمران بیٹا! میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم سوئے ہوئے ہو اس لیے ناشتے پر نہیں پہنچ سکے ہو چلو! جلدی آ ؤ وین آنے میں صرف دس منٹ باقی ہیں، یونیفارم بھی بدلنا ہے اور ناشتہ بھی کرنا ہے۔

جب میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو 20 :7 منٹ ہو چکے تھے اور واقعی 10 منٹ باقی تھے، چناں چہ میں نے جلدی سے نہا کر یونیفارم پہنا اور بیگ اٹھا کر ناشتے کے لیے پہنچا تو صرف 2 منٹ باقی تھے، ابھی میں نے چند لقمے ہی لیے تھے کہ وین کے ہارن کی آواز سنائی دی، میں نے جلدی جلدی میں چائے کا کپ منہ میں اُنڈیلا اور بیگ تھام کر وین کی طرف دوڑ لگا دی۔

اسکول پہنچنے کے بعد صبح کے پیریڈ کے دوران مجھے شدت سے ''ہاف ٹائم'' کا انتظار تھا کہ ہاف ٹائم ہو تو میں باقی تھوڑی سی کتاب بھی پوری کرلوں، ابھی میں بیٹھا ہوا کتاب کا آخری صفحہ ہی پڑھ رہا تھا کہ آپ دونوں آ گئے۔ عمرانؔ نے مکمل تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

عمران کی بات مکمل ہونے پر کامران نے بھی اس کی تائید کی اور کہا:

''واقعی بہت زبردست کتاب ہے، اس میں چیونٹیوں کا مثالی نظم وضبط اور ان کے زندگی گزارنے کا انداز کا ذکر ہے۔''

میں نے ان دونوں کی بات ختم ہونے پر کہا:

بھئی اب تو میں بھی ضرور اس کتاب کا مطالعہ کروں گا۔

ہاں ہاں ضرور! یہ لو کتاب، کامران نے کتاب میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد ہم تینوں کینٹین کی طرف بڑھ گئے۔ وہاں سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ اسکول کی مصروفیات شروع ہو گئیں۔

پھر اسکول سے گھر آ کر میں نے نماز پڑھی، کھانا کھا کر آرام کیا، پھر عصر پڑھ کر کھیلنے چلا گیا اور مغرب کے بعد ہوم ورک وغیرہ سے فارغ ہو کر کتاب پڑھنا شروع کی۔ کتاب بہت دل چسپ تھی، ابھی میں اُسے پڑھ ہی رہا تھا کہ عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر میں دوبارہ کتاب پڑھنے بیٹھا اور پڑھتے پڑھتے آنکھ لگ گئی۔

واہ کتنی خوب صورت جگہ ہے...... ہم ایک باغ میں موجود تھے۔ یہ تو بہت بڑا باغ ہے، یہاں تو بڑے بڑے پہاڑ ہیں...... یہ ہم کہاں آ گئے...... ہم اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ ہمارا دوست عمران بھی ایک ٹیلے کے پیچھے سے نکل کر ہمارے سامنے آ گیا۔ اس کے ساتھ کامران بھی تھا۔

آپ لوگ اِدھر......اور یہ کون سی جگہ ہے؟ ہم نے ان سے پوچھا۔

پتا نہیں! کامران نے جواب دیا۔

آپ نے یہاں کچھ دیکھا ہے؟ عمران نے مجھ سے پوچھا۔

نہیں میں تو ابھی ابھی آیا ہوں ...... کیوں کیا چیز ہے یہاں پر؟ میں نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

یہاں ہم نے عجیب عجیب کیڑے دیکھے ہیں یہ ہم سے بہت بڑے ہیں۔ عمران نے ہمیں خبر دی۔ بالکل چیونٹیوں کی طرح۔

اچھا!! کدھر......؟ ہمیں بھی دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔

وہ اس طرف......عمران نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔

چلو! چل کے دیکھتے ہیں۔ ہم نے اپنے دونوں دوستوں کے گلوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا اور اس درخت کی طرف چل دیئے۔

ابھی ہم اس درخت کے قریب پہنچے ہی تھے کہ اچانک ایک کیڑا نکل کر سامنے آگیا، ہم ٹھٹک کر رک گئے۔ وہ ہمیں ہی دیکھ رہا تھا۔

پیچھے پیچھے......!! عمران نے ہمارے کان میں سرگوشی کی۔

کیا پیچھے......؟ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

پیچھے دیکھو پیچھے!! عمران نے دوبارہ کہا۔

ہم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ہماری سٹی گم ہوگئی۔

ہمارے پیچھے اسی طرح کے مختلف کیڑے ہمیں ایسے گھیرے کھڑے تھے کہ جیسے ہم کوئی مجرم ہوں۔

یہ کیا ہے؟ کامران نے پریشان لہجے میں ہمیں کہا۔

ابھی ہم اسے کچھ جواب دینے کا سوچ ہی رہے تھے کہ اچانک ہمارے سامنے والے کیڑے نے کہا:

اچھا تو تم ہو وہ بچے جو چیونٹیوں کو برا سمجھتے ہیں۔

یہ...... یہ...... بولتی بھی ہیں!! ہم دھک سے رہ گئے۔ پھر فوراً جواب دیا:

نن...... نن...... نہیں آپ کون ہیں؟

ہم چیونٹیاں ہیں...... اور آپ تینوں اس وقت ہماری بستی میں ہیں۔

اس چیونٹی نے ہمیں کہا۔

لل...... لیکن...... آپ اتنی بڑی کیسے ہوگئیں؟ ہم نے ان سے پوچھا۔

ہم بڑی نہیں ہوئیں، بل کہ آپ لوگ چھوٹے ہو گئے ہیں۔

وہ چیونٹی ہمیں کہہ رہی تھی۔

• اچھا!! اب ہمیں سمجھ آیا کہ ہم کو یہ درخت اور ٹیلے اتنے بڑے بڑے کیوں لگ رہے تھے۔ حقیقت میں ہم چھوٹے ہو گئے تھے۔ ابھی ہم یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ایک چیونٹی نے باقی چیونٹیوں کی طرف دیکھ کر انہیں کہا:

انہیں ملکہ کے پاس لے چلو وہیں انہیں سزا دی جائے گی۔

پھر ایک ایک چیونٹی نے آگے بڑھ کر ہمیں اٹھالیا اور ایک طرف چل دیں۔

تھوڑی دور جا کر ایک کالونی بنی ہوئی آگئی۔

کالونی کے دروازے پر پہنچ کر ایک چیونٹی نے اپنے انٹینا سے دروازے کو دستک دی۔ ہم چیونٹی کے دو ڈنکوں کے بیچ میں پھنسے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

دستک کے جواب میں پہلے تو کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر آہستہ آہستہ دروازہ پیچھے کی طرف ہٹنے لگا، اور چیونٹیوں کے اندر جانے کا راستہ ہوگیا۔

جیسے ہی ہم اندر گئے تو دروازہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دروازہ دراصل ایک چیونٹی کا سر تھا، وہ چیونٹی گویا کہ چوکیدار چیونٹی تھی لیکن کچھ عجیب سی تھی ہم نے اس سے پہلے ایسی چیونٹی نہیں دیکھی تھی جس کا سر دروازے کا کام کر رہا ہو۔

علی! یہ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟

کامران نے سہمی ہوئی آواز سے ہمیں مخاطب کر کے کہا۔

مجھے کیا معلوم میں نے بے دلی سے جواب دیا۔

ڈر تو ہمیں بھی بہت لگ رہا تھا لیکن ڈر سے زیادہ تجسس تھا۔

وہاں لے جا کر کیا کریں گے۔ عمران تو بالکل رو رہا تھا۔

بھائی یہ تو بعد کی بات ہے، پہلے دیکھیں تو صحیح کہ ''چیونٹیوں کی دنیا'' کیسی ہے؟

ہم نے جواب میں کہا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک موڑ آ گیا، چیونٹیاں وہاں مڑ گئیں۔ راستے میں ہم مختلف چیونٹیوں کو دیکھ رہے تھے، وہ سب چپ چاپ کام میں لگی ہوئی تھیں۔

ہمیں ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم کسی فوجی ادارے میں ہیں، جہاں ایک منظّم انداز سے کام ہوتا ہے۔

مختلف موڑ مڑنے کے بعد بالآخر ہمارے سفر کا اختتام ایک کمرے میں ہوا۔ وہاں پہنچ کر چیونٹیوں نے ہمیں نیچے اتار دیا۔ ہم تینوں ایک ساتھ کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں ملکہ یہاں پہنچ رہی ہیں، پھر تمہارا مقدمہ ان کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

ہمارے ساتھ کیا ہو گا؟

عمران نے روتے ہوئے ایک چیونٹی سے پوچھا۔

ملکہ کی جو مرضی آئے وہ فیصلہ ہو گا۔

چیونٹی نے نخوت سے جواب دیا اور آہستہ آہستہ جانے لگیں۔

چلو جی آرام سے بیٹھو ''چیونٹی محل میں'' ہم آرام سے کہتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئے۔ ساتھ ساتھ کامران اور عمران بھی بیٹھ گئے۔

ابھی ہم تھوڑی دیر ہی بیٹھے تھے کہ دروازے پر کسی کے سانس لینے کی اور حرکت

کرنے کی آواز آئی۔ ہم سب جلدی سے کھڑے ہو گئے۔

دروازہ کھلا اور ایک بڑی چیونٹی اندر داخل ہوئی۔ اس کے انداز سے پتا چل رہا تھا کہ وہ ہی یہاں کی ملکہ ہو گی۔

مم......مم......ملکہ سلامت السلام علیکم۔

کامران نے جلدی سے اٹھ کر سلام کیا۔

وعلیکم السلام......بیٹھو! ملکہ نے ہمیں کہا اور ہم بیٹھ گئے۔

ہوں......ملکہ تھوڑی دیر تو ہمیں دیکھتی رہی پھر اس نے کہا:

تم ہی وہ بچے ہو جو ہمیں بیکار سمجھتے ہو۔

نہیں بیکار تو نہیں سمجھتے، لیکن ہمیں پتا نہیں ہے کہ آپ اتنی سی چیونٹی ہو کر کیا کام کرتی ہوں گی۔ ہم نے جواب دیا۔

یہاں آپ تینوں کو اسی وجہ سے لایا گیا ہے کہ ہم آپ کو اپنے بارے میں بتائیں۔ ملکہ چیونٹی نے ہم سے مخاطب ہو کر کہا۔

جی ضرور! میں نے ملکہ چیونٹی سے کہا۔

اچھا تو سنیے! ملکہ نے اپنی بات کی ابتدا کی۔

ہم تینوں ملکہ چیونٹی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

یہ جس جگہ آپ بیٹھے ہیں ایک چیونٹی کالونی ہے۔ ایک کالونی (بل) میں عام

طور پر ۵۰ ملین تک کی آبادی ہوتی ہے۔

۵۰ ملین......!! کامران نے حیرت سے پوچھا۔

جی ہاں! تقریباً ۵۰ ملین ...... یعنی ۵ کروڑ!! پھر تو آپ چیونٹیوں کو نظام چلانا مشکل ہوتا ہوگا؟

عمران نے اچانک سوال کیا۔ بالکل نہیں! یہاں ۵۰ ملین آبادی بالکل منظّم انداز میں زندگی گزارتی ہے۔ ہمارے یہاں کام تقسیم ہوتے ہیں...... بچوں کی دیکھ بھال کرنے والی چیونٹیاں الگ ہیں...... بستی کی حفاظت کرنے والی چیونٹیاں الگ ہیں ...... خوراک لانا...... اُسے سنبھال کر رکھنا...... کوئی اور مخلوق حملہ کرے تو اس کے ساتھ مقابلہ کرنا...... کاشتکاری کرنا...... یہ سب مختلف کام ہیں اس کے لیے ہمارے یہاں چیونٹیاں مقرر ہیں۔

یہ سب اپنے اپنے حصے کے کام کرتی ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرے کے کام میں دخل دے یا لڑے بل کہ یہ سب انتہائی منظّم انداز میں اپنے اپنے حصے کے کام انجام دیتی ہیں۔ اور میں اس پوری آبادی کی ملکہ ہوں۔

ملکہ چیونٹی نے ہمیں بتایا۔

کیا آپ ہمیں یہ آبادی دکھائیں گی؟

عمران کا ڈر بھی نکل چکا تھا۔ اب وہ کھل کے بات کر رہا تھا۔

ہاں ضرور! کیوں نہیں۔ چلیے۔

ملکہ چیونٹی نے ہمیں کہا اور پھر خود دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

آپ لوگوں کو جو چیونٹیاں یہاں لے کر آئی ہیں وہ سپاہی چیونٹیاں تھیں۔ ان کی ڈیوٹی اس ہیڈ کوارٹر کی چھت پر ہوتی ہے، جب کوئی حملہ آور حملہ کرتا ہے تو یہ چیونٹیاں پشت کے بل لیٹ کر مخالف پر تیزاب فائر کرتی ہیں۔ ملکہ چیونٹی ہمیں بتا رہی تھی۔

تت......تت......تیزاب......آپ کے پاس تیزاب کہاں سے آیا......آپ ہم سے مذاق کر رہی ہیں!!؟

عمران نے ہکلاتے ہوئے ملکہ چیونٹی سے پوچھا۔

میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔ ہمارے پاس نہ صرف تیزاب ہوتا ہے بل کہ زہر بھی ہوتا ہے۔ عام طور پر ہمارے کچھ غدود ضروری مادے پیدا کرتے ہیں لیکن بوقتِ ضرورت تیزاب (Formic Acid) بھی پیدا کرتے ہیں۔ اگر ہم وہ انسانوں پر استعمال کریں تو انہیں الرجی کے باعث جھٹکے لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔

اور بعض چیونٹیاں اپنے منہ سے پچھلے حصے تک زہر سے بھرے غدود رکھتی ہیں اور جب دشمن زیادہ تنگ کرے تو یہ چیونٹیاں اپنے غدود کو پھاڑ دیتی ہیں، جس سے دشمنوں پر زہر کا فوارہ سا پڑتا ہے اور وہ مر جاتے ہیں۔ ان غدود کے پھٹنے سے ان چیونٹیوں کی جان بھی چلی جاتی ہے لیکن یہ چیونٹیاں اپنی جان کی قربانی دے کر اپنے

ساتھیوں کو بچا لیتی ہیں۔

ملکہ چیونٹی ہمیں بتا رہی تھی اور ہم حیرت سے منہ کھولے یہ سب سن رہے تھے۔

اب آپ لوگ آگے چلو۔ ملکہ چیونٹی نے اپنے ہاتھ سے میرا منہ، جو کھلا ہوا تھا بند کرتے ہوئے کہا۔

ہم نے اپنی اس بستی میں مختلف کمرے بنائے ہوئے ہیں، ہر کمرے کا درجہ حرارت ہم ضرورت کے مطابق رکھتے ہیں۔ یہ کمرہ نمبر 1 ہے۔ ملکہ چیونٹی نے ایک کمرے کے دروازے پر پہنچتے ہوئے کہا۔

وہاں مختلف چیونٹیاں کام کر رہی تھیں، انہوں نے ہمیں گھور کے دیکھا لیکن ملکہ کو ہمارے ساتھ دیکھ کر کچھ نہیں بولیں۔ یہاں انڈے رکھے جاتے ہیں اور اس کمرے کا درجہ حرارت 38 ڈگری سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ اس کمرے کو ''گرین ہاؤس'' کہتے ہیں۔

ہم نے اندر جا کر دیکھا وہاں بہت سارے انڈے پڑے تھے، اور کچھ چیونٹیاں وہاں کھڑی تھیں۔ تھوڑی دیر دیکھ کر ہم وہاں سے باہر نکل آئے۔

ملکہ چیونٹی تھوڑا آگے چل کر ایک اور کمرے کے دروازے پر پہنچی۔ یہاں جو چیونٹیاں تھیں وہ ہمیں تھوڑی خطرناک نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے ہمیں دیکھتے ہی گھیر لیا۔ کامران خوف کے مارے میرے ساتھ چمٹ گیا۔

ڈرو مت! یہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گی۔ ملکہ چیونٹی نے ہم سے کہا۔

یہ محافظ چیونٹیوں کا کمرہ ہے۔ یہ محافظ چونٹیاں 24 گھنٹے تیار رہتی ہیں، خطرے کا معمولی سا اشارہ بھی ملے تو فوراً جوابی عمل کرتی ہیں۔

اب آگے چلو، کچھ گھوم پھر کر ہم ایک اور دروازے پر پہنچے۔ یہ چھوٹے بچوں کی پرورش کا خانہ ہے، یہاں جو چیونٹیاں ہیں یہ ایک قسم کا سفید شہد اپنے پیٹ میں جمع کر کے رکھتی ہیں اور بچوں کو کھلاتی ہیں۔ ملکہ چیونٹی نے ہمیں بتایا۔

شہد کا سن کر ہمیں ہلکی ہلکی بھوک کا احساس ہوا۔ ہم نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور عمران کی طرف دیکھا تو وہ بھی کچھ اسی قسم کی حرکت کر رہا تھا، یقیناً اسے بھی بھوک کا احساس ہوگا۔ لیکن ہم یہاں کچھ کہہ نہیں سکتے تھے، کیوں کہ ہم تو یہاں قیدی تھے۔

ملکہ آگے چلتی چلی جا رہی تھی۔ اب میں تمہیں اپنا اناج خانہ دکھاتی ہوں، جہاں ہم اپنی غذا سنبھال کر رکھتے ہیں۔ ملکہ نے ایک کمرے کے دروازے پر رکتے ہوئے کہا۔ یہ ہمارا اناج رکھنے کا کمرہ ہے۔

ہم نے دیکھا وہاں مختلف چیزوں کو کُتر کُتر کر چھوٹے چھوٹے ذرّے بنا کر رکھا گیا تھا۔ اِسے ہم سردیوں کے موسم میں جب اناج کم ہو جاتا ہے استعمال کرتی ہیں۔ گویا کے یہ ہماری ڈبل روٹی ہے۔ ملکہ نے ہمیں بتایا۔

اس کے بالکل سامنے جو بڑا کمرہ تمہیں نظر آ رہا ہے یہاں کچھ چیونٹیاں نومبر سے مئی تک سوئی رہتی ہیں۔ ہم کمرے کے اندر داخل ہو گئے اور چیونٹیوں کے قریب

جا کر انہیں دیکھنے لگے۔ ملکہ ہمارے پیچھے کھڑی تھیں۔

کیا یہ اسکول نہیں جاتیں؟

عمران نے منمناتے ہوئے ہمارے کان میں سرگوشی کی۔

چپ!!! اٹھ گئیں نا تو ہماری خیر نہیں۔ میں نے اسے ڈانٹا۔

اتنی لمبی نیند!!؟ کامران نے ملکہ کی طرف رخ کر کے کہا۔

ہاں بس یہ کچھ خاص قسم کی چیونٹیاں ہیں جو اتنا لمبا سوتی ہیں۔

کاش ہم بھی ایسے ہی ہوتے۔ آدھا سال سونا ...... آدھا سال کھیلنا ...... عمران نے کہا۔ کتنا مزہ آتا۔

پھر تم انسان نہیں چیونٹی ہوتے۔ ملکہ چیونٹی نے پہلی مرتبہ مسکرا کر ہمیں کہا۔ میں تمہیں سبق سکھا رہی ہوں کہ چیونٹیوں کو دیکھو کتنا کام کرتی ہیں ...... کس طرح زندگی گزارتی ہیں اور تم ہم سے اعلیٰ مخلوق ہو کر ہم سے بھی نیچا کرنا چاہتے ہو۔

ملکہ چیونٹی نے ہلکی سی ڈانٹ پلائی۔ عمران کچھ کہہ نہ سکا، ہمیں بھی ہلکی ہلکی شرم آ رہی تھی۔ جاگنے پر یہ چیونٹیاں سب سے پہلے کمرے کی صفائی کرتی ہیں۔ ملکہ نے مزید کہا اور پھر کمرے سے باہر نکل آئی۔ ہم بھی تھوڑی دیر انہیں دیکھ کر باہر نکل آئے۔

تھوڑی دور جا کر ملکہ ہمیں ایک اور کمرے کے پاس لے گئی۔

یہاں اس پورے ہیڈ کوارٹر کو گرم رکھنے کا انتظام ہے۔ پتوں کے ٹکڑوں اور گھاس پھونس کو ملا کر مخصوص انداز سے رکھا جاتا ہے، اس عمل سے خارج ہونے والی حرارت سے عمارت کا اندرونی درجۂ حرارت 20 سے 30 ڈگری سینٹی گریڈ تک رہتا ہے۔

ملکہ نے ہمیں اس کمرے کے بارے میں بتایا۔

پھر ہم وہاں سے نکل کر ایک اور کمرے میں پہنچے، ملکہ ہمارے آگے آگے تھی۔

یہاں انڈے رکھے جاتے ہیں۔ پیچھے بھی آپ کو گرین ہاؤس دکھایا تھا جب انڈے ایک خاص عمر تک پہنچتے ہیں تو انہیں اٹھا کر گرین ہاؤس پہنچا دیا جاتا ہے۔

ہم نے دیکھا وہاں کچھ چیونٹیاں کھڑی انڈوں کی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔

کامران یہ سب یاد رکھنا، باہر جا کر ہم ان پر تفصیلی نوٹ لکھیں گے، میں نے کامران سے کہا۔ ہاں مجھے سب یاد ہے۔ کامران نے جواب دیا۔

مجھے تو صرف وہ شہد والی چیونٹیاں یاد ہیں۔ عمران نے آہستہ سے کہا:

فکر مت کرو! تمہیں باہر جا کر بہترین قسم کے شہد سے ناشتہ کرایا جائے گا۔ ملکہ چیونٹی جواب ہماری دوست بن چکی تھی، نے جب یہ سنا تو فوراً جواب دیا۔

اب صرف ایک دو کمرے رہ گئے ہیں۔ ایک میرا کمرہ جو آپ لوگوں نے دیکھا تھا، وہ "شاہی کمرہ" ہے۔

اب یہاں سے باہر چلتے ہیں باہر...... وہ دوسرا کمرہ کون سا ہے جو رہ گیا ہے؟
عمران نے ملکہ کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔
راستے میں دکھاؤں گی۔ ملکہ نے تحمل سے عمران کو جواب دیا۔ پھر کہا: اب یہاں
سے باہر چلتے ہیں، باہر کچھ چیزیں دیکھنے کی ہیں۔ پھر ملکہ آگے آگے چلنے لگی۔
ہزار بار منع کیا ہے بیچ میں مت بولو...... پھر بھی ہمیشہ بول پڑتے ہو...... کامران
نے عمران کو کہنی مار کر آہستہ سے کہا۔
عمران جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ ملکہ ایک کمرے کے دروازے پر رک گئی
اور پیچھے مڑ کر دیکھا: یہ کمرہ لاروں کا ہے۔ لاروے انڈوں سے نکلنے والے چھوٹے
بچوں کو کہا جاتا ہے۔ جو کیڑوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ ملکہ نے ہمارے پوچھنے سے
پہلے ہی بتا دیا۔
ہم نے دیکھا وہاں عجیب سے چھوٹے چھوٹے لاروے پڑے ہوئے ہمیں دیکھ
رہے تھے۔ وہ شاید ہمیں اپنی غذا سمجھ رہے تھے۔
اب باہر چلتے ہیں۔ ملکہ چیونٹی نے کہا۔
وہ...... وہ...... آپ لوگ کھاتی کیا ہیں؟
عمران نے اٹک اٹک کر ملکہ سے پوچھا۔
اوہو! یاد آیا ملکہ نے اپنا ایک ہاتھ ماتھے پر مارتے ہوئے کہا۔ کھانے کا کمرہ تو

دکھایا نہیں۔ چلو خیر اب ہم اسی طرف چلتے ہیں۔

کھانے میں ہم لوگ پھولوں کا رس...... ہر میٹھی چیز...... کچھ خاص قسم کے پتّے اور کچھ کیڑے مکوڑے...... مکھیاں...... جھینگر...... وغیرہ کھاتے ہیں۔

ملکہ چلتے چلتے کہہ رہی تھی۔

یہ ہمارا اسٹور روم ہے۔ ملکہ ایک کمرے کے دروازے کے پاس رک کر بولی۔ یہاں ہم پرندوں کے مردہ جسموں کو سنبھال کر رکھتے ہیں۔ وہاں بھی کچھ محافظ چیونٹیاں کھڑی ہوئی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔

چلو...... چلو...... یہاں سے...... ایسا نہ ہو ہمارا شمار بھی ان میں ہو جائے۔

عمران نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ملکہ چیونٹی یہ سن کر ہنس پڑی۔

نہیں نہیں! آپ لوگ تو ہمارے مہمان ہو۔ ملکہ چیونٹی نے ہم سے مسکراتے ہوئے کہا۔ اب ہم اس عمارت سے باہر نکل کر کچھ چیزیں دیکھیں گے۔

پھر ملکہ باہر کی طرف والے راستے پر روانہ ہوگئی۔ ہم یہ ہیڈ کوارٹر دیکھ کر انتہائی حیرت زدہ تھے کہ اتنی ننھی سی مخلوق اور اس طرح رہتی ہے۔

آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ہم باہر نکل گئے۔ مین دروازہ پر پہنچ کر ملکہ نے چوکیدار چیونٹی کے انٹینا سے ٹھوکہ دیا جو اپنا سر دروازہ پر لگائے کھڑی تھی، وہ ملکہ کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئی اور دروازہ کھول دیا۔ ہم باہر نکل آئے۔

باہر سے ہم نے اس ہیڈ کوارٹر کو دیکھا تو وہ گنبد کی شکل میں بنا ہوا تھا۔ اس کے اوپر گھاس پھونس اور چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں پڑی تھیں یہ آپ نے کیوں رکھی ہیں؟

میں نے ملکہ سے اس کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

ملکہ چیونٹی نے ہمیں بتایا:

اس کی وجہ سے بیرونی موسمی اثرات جیسے گرمی اور سردی وغیرہ عمارت کے اندرونی ماحول پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ اندر مطلوبہ درجۂ حرارت کے مطابق اس کی موٹائی اور تعمیری سامان کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

وہیں قریب ہی ایک ڈھیر تھا۔ غالباً اس کے نیچے بھی کوئی کمرہ ہوگا لیکن وہ تھوڑا الگ تھلگ بنا ہوا تھا۔ یہاں ہم مردہ چیونٹیوں کے جسم اور اناج کے خول وغیرہ رکھتے ہیں۔ ملکہ نے ہمیں اس کمرے کی طرف دیکھتا ہوا دیکھ کر بتایا۔

جس دروازے سے ہم باہر نکلے ہیں اس ہیڈ کوارٹر کے اس طرح کے چار دروازے ہیں، ان چاروں دروازوں پر چوکیدار چیونٹیوں کی فوج متعین ہے۔ وہ صرف اسی چیونٹی کو اندر جانے دیتی ہیں جو اس بستی کی ہو۔

ملکہ چیونٹی ایک درخت کے سائے میں رکتے ہوئے بولی۔

آپ پہچان کیسے کرتی ہیں؟ میں نے ملکہ سے پوچھا۔

ایک بستی کی چیونٹی دوسری بستی کی چیونٹی کو پہچان لیتی ہے، اپنے رشتہ داروں اور

دوستوں کو شناخت کر سکتی ہے، اس پہچان کا ذریعہ ہر بستی کی چیونٹی کی خاص خوشبو ہے۔ جس کو ایک چیونٹی دوسری کے جسم کو چھو کر محسوس کرتی ہے۔ اگر کوئی دوسری بستی کی چیونٹی اندر گھسنے کی کوشش کرے تو اسے طاقت ور جبڑوں سے جکڑ کر اس کے اندر (Formic Acid) داخل کر دیا جاتا ہے، جس سے وہ چیونٹی ہلاک ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی دوسری بستی سے آنے والی چیونٹی ہماری ہم نسل ہے، تو ہم اسے قبول کر لیتے ہیں لیکن جب تک وہ بستی کی مخصوص خوشبو حاصل نہیں کر لیتی اسے خوراک کم دی جاتی ہے۔ ملکہ چیونٹی نے مکمل تفصیل سے ہمیں بتایا۔

خوراک کم دی جاتی ہے کا مطلب......؟

مجھے ملکہ کی بات سے الجھن ہوئی کیوں کہ چیونٹیاں تو خود ہی کھاتی ہیں۔

میری بات سن کر ملکہ اس طرح مسکرائی جیسے بڑے کسی نہ جاننے والے بچے کی بات پر مسکراتے ہیں۔ پھر ملکہ نے کہا:

ہمارے یہاں چیونٹیاں مختلف کاموں پر مامور ہیں، کوئی چوکیدار ہے...... کوئی بچوں کی دیکھ بھال پر مامور ہے...... کوئی حفاظتی جماعت میں ہے...... کوئی کاشتکار ہے۔

اب جو کام جس چیونٹی کے ذمے ہے وہ چیونٹی وہی کام کرتی ہے، کوئی دوسرا کام انجام نہیں دیتی۔ اسی طرح کچھ چیونٹیاں خوراک جمع کرنے پر مامور ہیں۔ وہ

خوراک لا لا کر اسٹور روم میں جمع کر دیتی ہیں۔ پھر ہر چیونٹی اپنی ضرورت کے مطابق وہاں سے خوراک لے لیتی ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی چیونٹی زیادہ خوراک کھا کر آتی ہے تو وہ اپنی ضرورت سے زیادہ دوسری چیونٹی کو کھلا دیتی ہے۔ وہ ڈھونڈتی ہے کہ کوئی بھوکی چیونٹی مل جائے جسے خوراک دی جا سکے۔

ملکہ چیونٹی نے ہم سے چیونٹیوں کی اس عادت کو ذکر کیا۔

کامران نے ملکہ چیونٹی کی اس بات پر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

علی! یہ قربانی کی کتنی اعلیٰ مثال ہے۔

میں نے اور ذیشان نے ایک ساتھ جواب دیا۔

ہاں کامران واقعی! اب ہم بھی ہر ایک کے ساتھ ایثار اور ہمدردی والا معاملہ کریں گے۔

کامران نے بھی ہماری بات سن کر کہا: ہاں! ہاں! میں بھی ایسا ہی کروں گا۔

ملکہ یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ وہ کہنے لگی:

''مجھے خوشی ہے کہ آپ نے میری زندگی سے سبق حاصل کیا۔''

اس کے بعد ملکہ نے کہا:

دنیا میں ہماری تقریباً 8,800 اقسام پائی جاتی ہیں۔

کک کک ...... کتنی ......؟ عمران نے حیران کن انداز میں پوچھا۔ آٹھ ہزار آٹھ سو...... ملکہ چیونٹی نے دوبارہ کہا۔

میں آپ کو مزید چند چیونٹیوں سے ملواتی ہوں۔ ملکہ چیونٹی نے اتنا کہہ کر اپنا پیٹ اور سر زمین سے لگانا شروع کر دیا۔

ہم سب ہیڈ کوارٹر سے باہر ایک درخت کے سائے کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، میں ملکہ کی حرکتیں غور سے دیکھ رہا تھا۔

ملکہ پہلے تو اپنا پیٹ اور سر زمین سے رگڑتی پھر اپنا سر اپنی کمر سے رگڑتی۔ تھوڑی دیر تک ملکہ اس طرح کرتی رہی، پھر وہ اسی انداز سے بیٹھ گئی جیسے پہلے بیٹھی تھی اور ہماری طرف دیکھنے لگی۔

یہ...... یہ آپ نے کیا کیا تھا؟ عمران نے اپنے مخصوص انداز سے پوچھا:

میں نے کچھ چیونٹیوں کو بلانے کا خاص طریقہ استعمال کیا ہے۔ ملکہ نے جواب دیا۔ ہماری پیغام رسانی ایسے ہی ہوتی ہے۔ تھپتھپاہٹ نما آواز پیدا کرنے کے لیے ہم زمین یا کسی اور چیز پر اپنے جسم کے کسی بھی حصے کو رگڑتی ہیں، اور تیز آواز پیدا کرنے کے لیئے جسم کا کوئی حصہ دوسرے حصے سے رگڑا جاتا ہے۔

اچھا گویا کہ آپ دستک دیتی ہیں۔ کامران نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

نہیں! یہ دستک نہیں۔ دستک سے آواز پیدا کرنے کا طریقہ درختوں کے تنوں

میں بنی بستیوں میں استعمال ہوتا ہے۔ وہاں پیغام دینے والی چیونٹی اپنے سر اور پیٹ کو زمین سے ٹکراتی ہے اور اس سے پیدا ہونے والا ارتعاش کئی ڈیسی میٹر دور تک محسوس ہوتا ہے، اور جو چیونٹیاں امریکہ میں رہتی ہیں وہ اپنا سر یا پیٹ دیواروں سے ٹکرا کر 20 سینٹی میٹر دور تک پیغام بھیج سکتی ہیں۔

ملکہ یہاں تک کہہ کر رک گئی، پھر دوبارہ سانس لینے کے بعد کہنے لگی۔ ہم تینوں بہت غور سے ملکہ چیونٹی کی بات سن رہے تھے۔

ہم ہوا میں سفر کرنے والی آواز سے تقریباً بہری ہوتی ہیں، البتہ زمین میں سفر کرتی ہوئی آواز فوراً محسوس کر لیتی ہیں۔

ابھی ہم باتوں میں مشغول تھے کہ ہمیں ٹیلے کے نیچے کی طرف سے کافی ساری چیونٹیاں اس طرف آتی نظر آئیں۔ ہم ایک ٹیلے کے اوپر تھے اور وہ نیچے سے اوپر کی طرف آ رہی تھیں اس وجہ سے ہم نے انہیں دیکھ لیا تھا۔

کک...... کک کامران...... یہ شاید حملہ ہوا ہے۔ عمران نے کہا۔

کامران نے کہا: نہیں! نہیں! یہ حملہ کیوں کریں گی!!۔

میں دیکھ تو اسی طرف رہا تھا لیکن مجھے ان کا انداز جارحانہ نہیں لگ رہا تھا۔ اس وجہ سے مجھے اندازہ تھا کہ یہ حملہ کرنے کی نیت سے نہیں آ رہیں۔ اچانک کامران نے مجھ سے کہا:

علی...... یہ دیکھو!! یہ ہیں کتنی خطرناک۔

اب جب میں نے غور سے دیکھا تو میری بھی سٹی گم ہوگئی۔ ان چیونٹیوں میں بعض کے منہ بالکل آرے کی طرح تھے...... اور بعض انتہائی...... سیاہ نظر آ رہی تھیں۔

ابھی ہم انہی باتوں میں مشغول تھے کہ ملکہ چیونٹی نے کہا۔

آپ لوگ ڈریں نہیں! یہ خطرناک تو ہیں لیکن آپ کو کچھ نہیں کہیں گی۔ انہیں میں نے ہی بلوایا ہے، ملکہ چیونٹی نے ہمیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

ہمیں ملکہ چیونٹی کی بات سے کچھ اطمینان ہوا۔ ہم اسی طرف دیکھتے رہے۔ ہمارے قد یہاں چھوٹے ہوگئے تھے اس وجہ سے وہ چیونٹیاں بہت بڑی بڑی نظر آ رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ چیونٹیاں قریب آ کر کھڑی ہوگئیں۔ ملکہ چیونٹی نے ان کے ساتھ اپنا انٹینا لگایا پھر وہ سب ایک دوسرے کو لگاتی گئیں۔ ہم سمجھ گئے کہ ملکہ نے ہمارے بارے میں انہیں بتایا ہے۔

پھر ملکہ نے انہیں ہم سے متعارف کروانا شروع کیا۔

سب سے پہلے ملکہ نے دائیں طرف کھڑی چیونٹیوں کو آگے بلایا اور کہا:

یہ (Leaf Cutter Ants) ہیں یعنی پتہ کاٹ چیونٹیاں۔

ہم نے انہیں دیکھا ان کے منہ گویا کہ تیز آرے تھے۔

انہیں اٹّا (ATTA) کہتے ہیں۔ ملکہ نے ہمیں بتایا۔

یہ پتّے کاٹ کے کیا کرتی ہیں؟ میں نے ملکہ سے پوچھا۔

یہ چیونٹیاں پتّے اپنے گھر لے جاتی ہیں۔ وہاں ایک جگہ ایسی ہے جہاں یہ کھیت اگاتی ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ یہ پتّے کتر کتر کر اپنے زیرِ زمین گھروں میں ان کے ڈھیر لگاتی ہیں پھر ان پر کھمبیاں اگاتی ہیں۔ اس طرح وہ اپنے لیے پروٹین کا انتظام کرتی ہیں۔

آپ تو بہت زبردست ہیں ...... عمران نے بے اختیار ان چیونٹیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ اور پھر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ ان لیف کٹر چیونٹیوں نے عمران سے مصافحہ کیا۔

ٹھیک ہے! اب تم جاؤ ...... ملکہ نے ان سے کہا تو وہ جانے لگیں۔ وہ دو تھیں ان کے ساتھ ایک چھوٹی چیونٹی بھی چل رہی تھی، جو ان سے بالکل الگ نظر آ رہی تھی۔

کامران نے اسے دیکھا تو ملکہ سے پوچھا، وہ چھوٹی چیونٹی ان کے ساتھ کیوں ہے؟

وہ ان کی محافظ ہے۔ ملکہ نے جواب دیا۔

ہم نے الجھی ہوئی نظروں سے ملکہ کی طرف دیکھا۔ ہمیں سمجھ نہیں آیا تھا۔

پھر ملکہ چیونٹی نے تفصیل سے وضاحت کرتے ہوئے کہا:

اصل میں ان لیف کٹر چیونٹیوں کی ایک خاص دشمن مکھی ہے، وہ موقع پا کر ان کے سر پر انڈا دیتی ہے اور انڈے سے لاروا نکل کر چیونٹی کے دماغ کا رخ کرتا ہے جس سے یہ مر جاتی ہیں۔

چونکہ یہ مکھی کارکن پتہ کاٹنے والی چیونٹیوں کے لیے مستقل خطرہ ہے اس وجہ سے یہ محافظ چیونٹی ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ ہر چیونٹی کو ایک محافظ ملتا ہے۔ یہ لیف کٹر اسے اپنے پتّے پر بٹھا لیتی ہیں پھر اس کے ساتھ ساتھ کام کرتی رہتی ہیں۔

پھر ملکہ نے اس کے بعد کھڑی دو چیونٹیوں کو آگے بلایا اور کہا:

یہ (Weaner Ants) یعنی جولاہا چیونٹیاں ہیں۔

یہ درختوں پر رہتی ہیں۔ ملکہ نے ان کا تعارف کرایا۔

یہ درختوں پر اپنا گھر اس طرح بناتی ہیں کہ کچھ چیونٹیاں پتّے کو اس کی نوک سے پکڑ کر الٹی طرف کھینچتی ہیں۔ پھر دوسری چیونٹیاں مل کر دوسرے پتّے کو قریب لاتی ہیں جب آدھا پتہ دوسرے پتّے پر آ جاتا ہے، تو یہ چیونٹیاں ایک دوسرے کی ٹانگوں کو اور پتوں کو پکڑ کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔

کچھ چیونٹیاں لاروے جو بچے انڈوں سے نکلے ہوتے ہیں اٹھا کر لاتی ہیں اور انہیں پتوں کے کناروں پر رکھ کر دبا دیتی ہیں جس سے ان کے منہ سے ریشم نکلتا ہے، پھر یہ اس لاروے کو ایک طرف سے دبا کر دوسری طرف اور پھر وہاں سے دبا کر

واپس نکالتی رہتی ہیں جس سے پتا جڑ جاتا ہے۔ گویا کے یہ چیونٹیاں ایک طرح کا درزی کا کام کرتی ہیں اور لاروے سوئی کا۔ ملکہ نے ہمیں بتایا۔

کیا آپ ہمیں ان کا گھر دکھائیں گی۔ میں نے بے چینی سے ملکہ سے پوچھا۔

یہ دیکھ لو...... ملکہ نے منہ اوپر اٹھا کر اس درخت کی طرف اشارہ کیا جس کے نیچے ہم بیٹھے تھے۔

ہم نے منہ اٹھا کر دیکھا تو وہاں واقعی مختلف ٹہنیوں کے چار چھ پتّے آپس میں قریب آ کر جڑے ہوئے تھے۔

حیرت کے مارے ہم سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا، ہمارے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔ اب تم لوگ جاؤ۔ ملکہ نے ان جولاہا چیونٹیوں کو حکم دیا۔

ٹھہریے! عمران نے انہیں کہا اور ان کی طرف بڑھ گیا۔ پھر نہایت جذباتی انداز میں ان کے قریب پہنچ کر کہا:

آپ مجھے کچھ نصیحت کریں؟

میری طرف سے آپ کو یہ نصیحت ہے کہ آپس میں اتحاد پیدا کریں۔ میں اکیلی کچھ نہیں کر سکتی لیکن جب سب چیونٹیاں مل جاتی ہیں تو یہ سارا کام ہوتا ہے۔

اس جولاہا چیونٹی نے عمران سے کہا۔

میں نیت کرتا ہوں کہ آج سے آپس میں اتحاد پیدا کروں گا اور دوسروں کو بھی

اس کی ترغیب دوں گا۔عمران نے پرعزم لہجے میں جواب دیا۔

اور میں بھی......اور میں بھی......

میں نے اور کامران نے آہستہ سے اس عزم کو دہرایا۔

اتنا کہہ کرعمران ہمارے پاس آگیا اور وہ چیونٹیاں روانہ ہوگئیں۔

اس کے بعد ملکہ نے دو اور چیونٹیوں کو آگے بلایا اور کہا:

یہ چیونٹیاں نابینا ہیں، ان کی مکمل نسل نابینا ہی پیدا ہوتی ہے اور ساری عمر نابینا ہی رہتی ہے۔

یہ دونوں چیونٹیاں ہمیں بہت ہی خطرناک لگ رہی تھیں وہ کھڑی بھی فوجی انداز سے تھیں۔ان کے رنگ بالکل سیاہ تھے۔ہم نے ملکہ چیونٹی سے کہا:

یہ......لگ تو نہیں رہی کہ نابینا ہیں۔

نہیں! یہ واقعی نابینا ہیں۔لیکن ہیں یہ فوجی چیونٹیاں۔ان کے بڑے اور تیز دھار جبڑے راستے میں آنے والی ہر چیز کو تہس نہس کر دیتے ہیں۔ یہ نہ گھر بناتی ہیں نہ رکتی ہیں بس چلتی رہتی ہیں۔ یہ گوشت کھاتی ہیں، اور اگر انسان ان کے راستے میں آجائے تو اسے بھی زخمی کر دیتی ہیں۔ملکہ نے ان کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

یہ...... یہ......عمران کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن خوف کے مارے ہکلا کر رہ گیا۔

ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔ ملکہ نے انہیں حکم دیا تو وہ فوجی انداز سے اباؤٹ ٹرن

لے کر لیفٹ ...... رائٹ لیفٹ رائٹ کرتے ہوئے روانہ ہو گئیں۔

اب صرف دو چیونٹیاں بچی تھیں۔ یہ دونوں چھوٹی اور سرخ رنگ کی تھیں، دیکھنے میں تو وہ چھوٹی ہی لگ رہی تھیں لیکن ان کا ایک رعب تھا۔

یہ (Fire Ants) یعنی آتشیں چیونٹیاں ہیں۔ ملکہ نے ان کا تعارف کرایا۔

یہ انتہائی خطرناک چیونٹیاں ہیں۔ بجلی کے کھمبوں پر حملہ آور ہو جائیں تو سپلائی کا نظام متاثر کر سکتی ہیں ...... فصلیں تباہ کر سکتی ہیں ...... سڑکوں کے نیچے سرنگیں بنا کر انہیں کھوکھلا کر سکتی ہیں ...... یہ کم عمر ہرنوں کو ہلاک کر دیتی ہیں ...... ملکہ نے ان خطرناک چیونٹیوں کے بارے میں ہمیں بتلایا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بہت لڑاکا چیونٹیاں ہیں۔ کامران نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ہاں! لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ یہ صرف جنگ وجدل والی چیونٹیاں ہی ہیں۔

یہ بہت محنتی اور ہنر مند بھی ہیں۔ بستی کی تعمیر کے دوران یہ ایسے ٹیلے بناتی ہیں جس کی اونچائی 30 سینٹی میٹر اور چوڑائی 60 سینٹی میٹر ہوتی ہے۔ ان کی بھول بھلیاں زمین میں ڈیڑھ میٹر اندر تک چلی جاتی ہیں۔ ملکہ نے مزید اضافہ کیا۔

یہ ...... یہ چیونٹیاں ہیں یا کوئی اور مخلوق ...... عمران نے کہا۔

وہ دونوں چیونٹیاں ہنس پڑیں۔ ہم چیونٹیاں ہی ہیں، بس ہمیں اللہ تعالیٰ نے

ایسا بنایا ہے۔ انہوں نے کہا۔ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔ ملکہ نے انہیں بھی بھیج دیا۔

اب صرف ہم لوگ اور ملکہ رہ گئی تھیں۔ ملکہ نے تھوڑی دیر ٹھہر کر ہمیں کہا:

اب آپ لوگوں کو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ہم چیونٹیاں بے کار مخلوق نہیں ہیں اور کس قدر کام کرتی ہیں۔ ہم میں کوئی چیونٹی یہ نہیں کہتی کہ میں گزشتہ روز کے کام سے تھک گئی ہوں اس لیے آج آرام کر رہی ہوں یا چھٹی پر ہوں۔

ہمیں بنانے والے وہی اللہ تعالیٰ ہیں جنہوں نے آپ کو اور ساری مخلوق کو پیدا کیا اور یہ سارے کام بھی ہمیں اسی نے سمجھائے ہیں۔ ملکہ چیونٹی نے ہمیں کہا۔

آپ لوگ بہت تھک گئے ہوں گے اور بھوکے بھی ہوں گے۔

جی......جی......وہ تو ہم ہیں......عمران نے بے تابی سے کہا۔

ہم دونوں اور ملکہ بھی عمران کا انداز دیکھ کر ہنس پڑے۔

یہاں قریب ہی ایک باغ ہے وہاں پھل وغیرہ بہت ہیں۔ ہم وہاں چلتے ہیں کچھ کھائیں گے، پئیں گے۔ پھر آپ لوگ روانہ ہو جایئے گا۔ ملکہ نے ہمیں کہا اور ایک طرف چلنا شروع کیا۔ ہم بھی ساتھ ساتھ چلتے رہے۔

آپ لوگوں کو پتا ہے کہ ہمارا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے؟

ملکہ نے اچانک ہم سے پوچھا۔ ہم چپ رہے تو ملکہ نے ہمیں بتایا:

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک پیغمبر گزرے ہیں۔ ایک مرتبہ وہ کہیں

جارہے تھے، راستے میں چیونٹیوں کا ایک بل تھا۔

جب حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لشکر وہاں سے گزرنے لگا، تو چیونٹیوں کو ڈر ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لشکر گزرے اور ہم ان کے پاؤں تلے ہم روندی جائیں۔ اس لیے ایک چیونٹی نے آواز لگائی:

''اے چیونٹیوں! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔ کہیں تم کو (حضرت سلیمان (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور ان کا لشکر بے خبری میں کچل نہ ڈالے۔''

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کی زبان سمجھنے کا ملکہ دیا تھا، چناں چہ انھوں نے یہ بات سن لی اور مسکرانے لگے۔

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لشکر کو ہم سے دور ہو کر چلنے کی ہدایت دی، تاکہ ہم چیونٹیاں ان سے بچ جائیں۔ یہ سارا قصہ ''سُوْرَۃُ النَّمَلْ'' میں آیا ہے۔ ملکہ چیونٹی نے بتایا، ہم حیران رہ گئے۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد ملکہ ہمیں ایک باغ میں لے کر داخل ہوئی۔ وہاں بے حساب پھلوں کے درخت تھے۔ ملکہ چیونٹی نے ہم سے کہا اب آپ لوگ یہاں کھائیں پئیں میں چلتی ہوں۔ ہم سب نے ملکہ کو سلام کر کے رخصت کیا۔

اور جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہوئی اسے دیکھتے رہے۔

جیسے ہی ملکہ چیونٹی نظر آنی بند ہوئی ہم نے زمین پر پڑے پھل اٹھانے شروع کر

دیئے۔لل ......لیکن ......ابھی پہلا پھل منہ میں ہی رکھا تھا کہ ہماری آنکھ کھل گئی۔ہم اپنے بستر پر تھے، نہ پھل، نہ باغ، نہ نہر کا میٹھا پانی......۔

آج ہماری آنکھ جلدی کھل گئی تھی۔ پھر ہمیں آہستہ آہستہ خواب یاد آنے لگا، ملکہ چیونٹی اور چیونٹیوں کا نظم و ضبط اور سلیقہ۔ ہم نے ایک عزم کیا کہ آئندہ زندگی چیونٹیوں کی طرح بل کہ اس سے بھی اچھی ہوگی۔ یہ عزم کرنے کے بعد ہم فجر کی نماز پڑھنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

پیارے بچوں آپ بھی یہ عزم ریں کہ اپنی زندگی نظم و ضبط کے ساتھ گزاریں گے۔ جو لوگ بغیر کسی نظم کے زندگی گزارتے ہیں ان کی زندگی کا بہت سا وقت ضائع ہو جاتا ہے۔چیونٹیوں کی زندگی میں انسان کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ جب بے عقل مخلوق اس طرح اپنے کام کر سکتی ہے تو کیا عقل والے انسان نہیں کر سکتے۔اسکول وقت پر جانا، کھانا وقت پر کھانا، وقت پر سونا، وقت پر کھیلنا، وقت پر ہوم ورک کرنا، اچھی باتوں پر عمل کرنا، بری باتوں سے بچنا یہ سب نظم و ضبط اور باترتیب زندگی گزارنے کے طریقے ہیں۔ اور اچھا بچہ تو وہی ہے جو بے ترتیب زندگی سے بچ کر باترتیب زندگی گزارے۔

موت کا فیصلہ

پورا دربار لوگوں سے بھرا ہوا تھا، سامنے ہی بڑی کرسی پر بادشاہ سلامت بیٹھے ہوئے تھے ان کے دائیں طرف وزیر صاحب اور بائیں طرف مشیر صاحب بیٹھے تھے۔ یہ عام دربار تھا اس وجہ سے لوگ آرہے تھے اور بادشاہ ان کی شکایات سن کر ان کے مسئلے حل کر رہا تھا۔

یہ بادشاہ رحم دل بادشاہ نہیں تھا اس وجہ سے عموماً لوگوں کو سزائیں زیادہ دیتا تھا اور معاف کم کرتا تھا۔ بادشاہ اسی طرح فیصلے کرنے میں مصروف تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک بڑھیا پر پڑی۔

کیا کام ہے؟ بادشاہ نے رعب دار لہجے میں بڑھیا سے سوال کیا۔

بادشاہ سلامت میں اپنے بیٹے کی رہائی کی درخواست لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ بڑھیا نے بادشاہ کے سامنے آکر کہا۔

کون ہے اس کا بیٹا!!؟

بادشاہ نے بڑھیا کی بات سن کر وزیر سے پوچھا۔

وہی بادشاہ سلامت! جس کو آپ نے پرسوں سزا سنائی تھی۔

وزیر نے بادشاہ کو یاد دہانی کراتے ہوئے کہا۔

اچھا وہ...... بادشاہ ایک دم غضب ناک ہو گیا، سارے درباری بادشاہ کی طرف متوجہ تھے۔ وہ ہمارا بہت بڑا مجرم ہے...... اُسے میں ضرور آزاد کروں گا...... لیکن قید سے نہیں بل کہ زندگی سے۔

لے آؤ اُسے نکال کے!! بادشاہ نے غصے کی حالت میں ہی سپہ سالار کو حکم دیا اور سپہ سالار نے اُسے لانے کے لیے دو سپاہی روانہ کر دیئے۔

بڑھیا نے دوبارہ بادشاہ سلامت سے رہائی کی درخواست کی لیکن بادشاہ نے بڑھیا کی بات پر توجہ نہ دی اور اپنے کام میں لگا رہا۔

تھوڑی دیر بعد بڑھیا ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئی، اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگی:

''اے اللہ! میرے بیٹے کی مدد فرما...... اس کی حفاظت فرما...... میرا بیٹا میری بہت خدمت کرتا تھا۔''

بڑھیا کونے میں بیٹھی اسی طرح دعا مانگتی رہی۔

اتنے میں سپاہی بڑھیا کے بیٹے کو لے کر حاضر ہوئے۔

بادشاہ اُسے دیکھتے ہی غصے میں بھر گیا۔ کاغذ، قلم لاؤ! بادشاہ نے حکم دیا۔

فوراً شاہی قلم کاغذ لایا گیا جس پر بادشاہ حکم لکھا کرتا تھا۔

بادشاہ نے کاغذ قلم پکڑا اور اس پر لکھا:

''اسے پھانسی دی جائے۔''

پھر بادشاہ نے تحریر مکمل کر کے وزیر کے حوالے کر دی۔

وزیر نے قلم اور کاغذ لیا اور اس پر لکھا حکم پڑھنے لگا۔ ارے ...... یہ کیا لکھا ہے۔

شاید بادشاہ کے دل میں رحم آ گیا ہو...... لیکن ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا۔

بہرحال وزیر یہ سب سوچتا رہا اور پھر اس نے سپہ سالار کو حکم دیا:

''اِسے آزاد کر دو۔''

بادشاہ نے اس سے کہا:

''تم نے پڑھا نہیں میں نے کیا لکھا ہے۔''

جی بادشاہ سلامت! میں نے پڑھ لیا ہے...... اس پر لکھا ہے:

''اسے آزاد کر دیا جائے۔'' وزیر نے جواب دیا۔

بادشاہ وزیر پر غصہ ہو گیا اور کہا: بے وقوف! میں نے لکھا ہے:

''اسے پھانسی دی جائے'' تم کیا پڑھ رہے ہو؟

وزیر نے بادشاہ کا لکھا ہوا پرچہ اس کے سامنے کر دیا۔

بادشاہ سلامت یہ دیکھیے ...... آپ نے لکھا ہے:

''اسے آزاد کر دیا جائے۔''

بادشاہ نے پرچہ پکڑ کر دیکھا تو اس پر واقعی یہی لکھا تھا۔

نہیں! میں نے آزاد کرنے کا حکم نہیں دیا، یہ حکم لکھنے میں غلطی ہوئی ہے۔

میں تو پھانسی دینا چاہتا ہوں۔

پھر بادشاہ نے دوبارہ قلم سنبھالا اور لکھنے لگا: ''اسے پھانسی دی جائے۔''

پھانسی کا حکم لکھنے کے بعد پرچہ وزیر کو تھما دیا۔ وزیر نے پرچہ لے کر پڑھا تو اس پر دوبارہ آزادی کا حکم لکھا ہوا تھا۔ وزیر نے سپہ سالار کو حکم دیا:

''اسے آزاد کر دو۔''

بادشاہ یہ سن کر دوبارہ غصہ ہو گیا۔ اس نے وزیر سے پوچھا:

کس نے اس کی آزادی کا حکم دیا ہے؟

وزیر نے دوبارہ بادشاہ کی طرف پرچہ بڑھا دیا۔

بادشاہ نے پرچہ پڑھا تو حیران رہ گیا۔ اس پر لکھا تھا:

''اسے آزاد کیا جائے''

بادشاہ حیران و پریشان تھا، وہ لکھنا چاہتا تھا: ''اسے پھانسی دی جائے''

لیکن اس کے ہاتھ سے لکھا جا رہا تھا: ''اسے آزاد کر دیا جائے۔''

ایسا اس لیے ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ماں کی دعا قبول کر لی تھی، اور جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا فیصلہ کر لیں تو دنیا کی کوئی طاقت اللہ کے حکم کے خلاف کچھ

نہیں کرسکتی۔ اسی وجہ سے بادشاہ لکھنا کچھ چاہتا تھا اور لکھ کچھ دیتا تھا۔

جب تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا تو بادشاہ سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی پھانسی کا فیصلہ نہیں ہے۔ یہ سوچ کر اس نے کہا:

ہاں ٹھیک ہے! ''اُسے آزاد کر دیا جائے''۔ جسے اللہ تعالیٰ پھانسی سے بچانا چاہتے ہیں تو میں اسے کیسے پھانسی دے سکتا ہوں۔

پھر بادشاہ نے اس کے آزاد کرنے کا حکم دے دیا۔

بچوں! آپ نے پڑھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے والدہ کی دعا کی برکت سے اس کے بیٹے کو زندگی عطا فرمائی جب کہ بادشاہ نے اس کے بیٹے کی پھانسی کا حکم لکھ دیا تھا۔ یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ یہ لڑکا اپنی والدہ کا فرماں بردار تھا، اور اس کے اپنی والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کی وجہ سے خود والدہ کے دل سے دعا نکلی، جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی طاقت سے بادشاہ کے موت کا فیصلہ کرنے کے باوجود اس لڑکے کو باعزت رہائی اور زندگی عطا کی۔

لہٰذا آج سے آپ بھی یہ پختہ عزم کرلیں کہ ہم دل سے اپنے والدین کی خدمت کریں گے اور ان کی دعائیں لیں گے۔ بچوں ہم آپ کو ایک بہت ہی اچھی کتاب کا نام بتاتے ہیں، آپ خود بھی یہ کتاب پڑھیں اور اپنے دوستوں کو بھی یہ کتاب تحفے میں دیں، اس کتاب کا نام ہے ''والدین کی قدر کیجیے'' (ناشر: دارالھدیٰ)

انمول ذخیرہ

سُؤال ⑩: سورج ایک دن میں کتنا سفر طے کرتا ہے؟

جواب: ....

سُؤال ⑪: سمندر میں سب سے گہری جگہ کہاں واقع ہے؟

جواب: ....

سُؤال ⑫: وہ کون سے علاقے ہیں جہاں پورا سال ایک دن رات کا ہوتا ہے؟

جواب: ....

حل تو کریں

❼ کل کا ایک بچہ نادان   چودہ دن میں ہوا جوان

❽ جس شے کو ہر دیس میں پایا   اس کی صورت ہے نہ سایا

ہنسئے مت

* ایک سال سیلاب سے بہت نقصان ہوا۔ کسی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:
اس سیلاب میں تو ایسے ایسے لوگ مر گئے جو پہلے کبھی نہیں مرے۔

* ایک بیوقوف نے اپنے گھر میں تالاب بنوائے۔ اس کا دوست اس سے ملنے گیا تو دیکھا کہ ایک تالاب میں گرم پانی ایک میں ٹھنڈا پانی اور ایک خالی تھا۔
اس دوست نے بیوقوف سے پوچھا یہ گرم تالاب کس لیے ہے؟
اس نے کہا: کبھی کبھی سردی میں نہانا پڑتا ہے۔
اور یہ ٹھنڈا تالاب؟
بیوقوف نے کہا: کبھی کبھی گرمی میں نہانا پڑتا ہے۔
اور یہ ایک تالاب خالی کیوں ہے؟
بے وقوف نے جواب دیا: کبھی کبھی نہانے کا جی نہیں کرتا۔

وقت ہی زندگی ہے

آج بھی خالد اپنے کزن عدنان کے ساتھ رات گئے تک گپ شپ میں مصروف رہا اور دونوں نے خوب مزے مزے کی کہانیاں اور لطیفے ایک دوسرے کو سنائے۔ پھر رات دس بجے خالد کے ابو نے انہیں سونے کے لیے کہا بھی مگر خالد ''جی ابو'' کہہ کر وہیں بیٹھا رہا، باتوں باتوں میں انہیں احساس ہی نہ ہوا کہ بارہ بج چکے ہیں۔

گھڑی پر نظر پڑتے ہی دونوں چونک اٹھے اور پھر جلدی سے اپنے اپنے بستر کی راہ لی اور سونے کے لیے لیٹ گئے۔

عدنان کی چھٹیاں چل رہی تھیں اس لیے اسے کوئی فکر بھی نہیں تھی جب کہ خالد کو صبح اسکول بھی جانا تھا اور بہت سارا ہوم ورک بھی آج کر کے صبح لے جانا تھا مگر اسے تو باتوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے وقت کا اندازہ ہی نہ ہوا کہ وہ ہوم ورک کر لیتا اور آج تو اس نے عشاء کی نماز بھی نہیں پڑھی تھی اس لیے وہ لیٹ کر سوچنے لگا کہ کیا کروں؟

صبح کام بھی دکھانا ہے اور عشاء کی نماز بھی نہیں پڑھی ہے وہ بھی پڑھنی ہے لیکن رات کے ۱۲ بج رہے ہیں اب کیا کیا جائے؟

پھر اچانک اس نے ایک تدبیر سوچی:

وہ یوں کہ رات تین بجے اٹھ کر پہلے عشاء پڑھ لوں گا پھر سو جاؤں گا۔ صبح فجر پڑھ کر کام کرنے بیٹھ جاؤں گا اور اسکول ٹائم ہونے تک کام بھی مکمل کرلوں گا یہ سوچ کر اس نے لیمپ بجھایا اور آنکھیں بند کرلیں۔

صبح سورج کی ہلکی ہلکی شعاعیں کھڑکی سے ہو کر خالد کے بستر پر پڑنے لگیں جس سے اس کی آنکھ کھلی...... اس نے اٹھتے ہی گھڑی پر نظر ڈالی...... اُوہو...... اسکول لگنے میں صرف ۱۵ منٹ باقی ہیں...... اوہ! یہ کیا ہوا...... اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور پھر وہ اٹھ کر بڑبڑانے لگا...... وہ عشاء کی نماز ...... فجر کی نماز ...... اور ہوم ورک جاپان کا جغرافیہ بھی یاد کرنا تھا...... اوہ! اب کیا کروں وہ سوچ رہا تھا۔ اور نیند کو اور اپنے آپ کو دل ہی دل میں برا بھلا کہہ رہا تھا۔

پھر اس نے جلدی جلدی کتابوں کا بیگ اٹھایا اور یونیفارم پہن کر گندے، مٹی سے بھرے ہوئے جوتے پہنے اور اسکول پہنچنے کے لیے دوڑ لگا دی۔

خالد نے جلدی کی وجہ سے اپنے بال بھی درست نہ کیے تھے اور منہ ہاتھ بھی نہیں دھوئے تھے، بس ایسے ہی اسکول پہنچنے کے لیے دوڑ لگا دی تھی۔

اسکول پہنچنے میں معمولی سی تاخیر ہوگئی تھی اور سر کلاس روم میں آ کر پڑھانے لگے تھے، اس دوران خالد لمبے لمبے سانس لیتا ہوا آ پہنچا اور اجازت لے کر اپنی جگہ پر

بیٹھنے لگا۔

آج اس کی شکل دیکھ کر سب کو بے اختیار ہنسی آ رہی تھی اور کچھ لڑکے تو منہ کھول کر ہنس بھی پڑے تھے۔

سر بھی خالد کی کیفیت بھانپ گئے تھے اور خالد کی آنکھیں دیکھ کر سمجھ گئے تھے کہ خالد رات کو دیر سے سویا ہے۔ چوں کہ خالد اچھا لڑکا تھا اس وجہ سے سر نے سوچا کہ خالد کو آج ہی سمجھا دینا چاہیے۔ لہٰذا انہوں نے بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

پیارے بچو! ہمارا آج کا سبق ہوگا ''وقت کی قدر و قیمت''۔

لہٰذا آج آپ میں سے کوئی طالب علم اپنا ایسا یادگار واقعہ سنائے جس سے وقت کی قیمت معلوم ہو سکے۔ سب بچے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور ہر ایک سوچنے لگا کہ وہ کیا واقعہ سنائے۔

خالد چوں کہ ذہین بچہ تھا اور بہادر بھی تھا اس لیے فوراً سمجھ گیا کہ سر میرا واقعہ سننا چاہتے ہیں، اس لیے اس نے کھڑے ہو کر سب سے پہلے بات کرنے کی اجازت مانگی اور پھر اپنے دوستوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

دوستو! وقت تلوار کی طرح ہے اگر تم اسے نہیں کاٹو گے تو یہ تمہیں کاٹ ڈالے گا۔

پھر خالد نے کہا: مجھے اسکول دیر سے آنا...... اپنے کام دیر سے کرنا...... رات دیر سے سونا بہت ناگوار گزرتا ہے لیکن اس کے باوجود آج میں تاخیر سے آیا۔

دراصل اس کی وجہ میں خود ہی ہوں کیوں کہ میں نے اپنی سستی کی وجہ سے وقت کی قدر نہیں کی اور رات دیر تک باتیں کرتا رہا جس کی وجہ سے رات سونے میں دیر ہوگئی اور پھر نہ میں عشاء پڑھ سکا نہ فجر اور نہ ہی ہوم ورک مکمل کر سکا۔

اور پھر آنکھ دیر سے کھلنے کی وجہ سے میں اسکول بھی دیر سے پہنچا، اب میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے سوائے یہ کہ میں اپنی غلطی کا اعتراف کرلوں، کیوں کہ اگر میں وقت کی قدر کرتا اور اسے سوچ سمجھ کر کام میں لاتا تو مجھے ایسی نوبت نہ آتی۔ اور اب میری جو حالت ہے وہ آپ سب کو نظر آ رہی ہے۔

خالد اپنی بات مکمل کر چکا تو واپس اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

سر کو خالد کی باتوں سے بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے خالد کی تعریف بھی کی اور پھر تسلی دیتے ہوئے کہا:

غلطی کا اعتراف کرنا بڑی خوبی کی بات ہے اور جو غلطی کا اقرار کرلے تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے غلطی کی ہی نہ ہو۔

پھر سر نے خالد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

بہت خوب خالد! بہت خوب! مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ وقت کی قدر و قیمت پہچانتے ہیں ...... آپ بہت اچھے بچے ہیں، لہٰذا آئندہ اپنے اوقات کو منظّم طریقے سے استعمال کرنے کی عادت بنائیے۔

پھر سر نے کہا: پیارے بچو! آج کے سبق کا خلاصہ ہے:

''وقت ہی زندگی ہے''

اس کے بعد یہ جملہ سر نے بلیک بورڈ پر لکھا اور سب بچوں سے اپنی کاپیوں میں لکھنے کے لیے کہا، اور یہ بھی نصیحت کی کہ سب بچے اپنے ''ہوم ورک'' کرنے کی جگہ پر گھر میں بھی یہ جملہ لکھ کر لگائیں، ساری کلاس نے ایک ساتھ پر جوش انداز میں کہا:

''سر! ہم آج ہی اپنے ہوم ورک کی جگہ پر یہ جملہ لکھ کر لگائیں گے اور اس پر ان شاء اللہ تعالیٰ پابندی سے عمل بھی کریں گے۔''

پیارے دوستو! اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملا کہ ہم اپنے وقت کو بالکل بھی فضول اور بے کار کاموں میں ضائع نہ کریں بل کہ اپنے کاموں کی ایک ترتیب بنالیں یا امی ابو سے کہہ دیں کہ آپ ہمارا پورے دن کا ''نظام الاوقات'' (Time Table) بنادیں تاکہ ہم اس کے مطابق اپنے کام آسانی سے کرسکیں۔

پیارے ساتھیو! جو لوگ وقت کی قدر کرتے اور اُسے صحیح طرح استعمال کرتے ہیں تو وہ دنیا میں بھی کامیاب ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی اُن کو بڑے بڑے انعامات ملتے ہیں، اس لیے آج سے آپ بھی یہ ارادہ کریں کہ وقت کا صحیح استعمال کریں گے اور بالکل بھی وقت ضائع نہیں کریں گے۔

تکبر کی سزا

بازار میں لوگ خرید و فروخت میں مشغول تھے غریب لوگ اپنی چیزیں بیچنے کے لیے لائے ہوئے تھے اور ضرورت مند لوگ اپنی اپنی ضرورت کی چیزیں خرید رہے تھے، ہر ایک اپنے اپنے کاروبار میں مصروف تھا۔

اتنے میں ایک شخص بازار میں داخل ہوا جس نے انتہائی قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا اور سینہ تان کر اکڑتے ہوئے بازار میں سے گزر رہا تھا اور غریب دکانداروں کا مذاق بھی اڑا رہا تھا۔

لوگوں کو اس آدمی کی یہ متکبرانہ چال اور رویہ بالکل بھی پسند نہ آیا اس وجہ سے سب لوگ اسے نفرت سے دیکھتے رہے، لیکن کسی نے اُسے مخاطب نہیں کیا۔

وہ متکبر آدمی اسی طرح لوگوں کا مذاق اڑاتا ہوا جا رہا تھا کہ اس کے سامنے سے ایک تیل بیچنے والا غریب آدمی گزرنے لگا، جس نے اپنے کندھے پر تیل سے بھرا ہوا مرتبان اُٹھا رکھا تھا۔

متکبر آدمی نے تیل والے کو اپنے قریب سے گزرتے دیکھ کر کہا:

''اے تیل والے! مجھے تیل دکھاؤ شاید میں یہ تیل خرید لوں۔''

تیل والا خوشی خوشی اپنا مرتبان نیچے رکھنے لگا، لیکن مرتبان نیچے رکھتے ہوئے اس کے ہاتھ سے پھسل کر نیچے گر گیا، جس سے کافی سارا تیل بہہ کر ضائع ہوگیا اور کچھ چھینٹیں اس متکبر آدمی کے کپڑوں پر بھی لگیں۔

متکبر آدمی نے جب اپنے کپڑوں کو خراب ہوتے دیکھا تو وہ غصے سے آگ بگولا ہوگیا اور تیل والے سے کہنے لگا:

بدتمیز آدمی! یہ تم نے کیا کیا، میرا اتنا قیمتی سوٹ تیل گرا کر خراب کر دیا!!؟

یہ ایک ہزار روپے کا سوٹ تھا...... اب اس کا جرمانہ بھرو......۔

غریب آدمی کا ویسے ہی تیل بہہ کر کافی نقصان ہوگیا تھا، پھر ایک ہزار روپے جرمانے کا سن کر وہ ایک دم پریشان ہوگیا۔

جناب میں ایک ہزار روپے جرمانے کے کیسے دے سکتا ہوں ...... جناب مجھ سے غلطی ہوگئی ہے...... آپ میرے ساتھ میرے گھر چلیں میں آپ کو یہ کپڑے دھو کر دے دوں گا۔ متکبر آدمی غریب کی بات سن کر غصے سے کہنے لگا:

میں اور تمہارے گھر چلوں!!؟

نہیں!! اور سنو مجھے دُھلا ہوا سوٹ نہیں چاہیے، تم نے میرے کپڑے خراب کیے ہیں اس لیے مجھے نیا سوٹ چاہیے۔

غریب آدمی پریشانی کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا اور اس متکبر آدمی سے

درخواست کر رہا تھا کہ وہ پیسے لینے کے بجائے کپڑے اس سے دھلوا لے۔

اس دوران بہت سے لوگ بھی وہاں جمع ہو گئے، ان میں ایک ذہین نوجوان بھی تھا، اس نوجوان نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ کیا ہوا، آپ لوگ کیوں لڑ رہے ہیں؟

غریب آدمی نے پریشانی کی حالت میں جلدی سے کہا:

جناب! انہوں نے مجھ سے تیل دکھانے کا کہا تھا، میں تیل دکھانے کے لیے مرتبان نیچے رکھنے لگا تو میرے ہاتھ سے مرتبان پھسل گیا، اور کچھ چھینٹیں ان کے کپڑوں پر بھی آ گئیں۔

جناب! میں غریب آدمی ہوں تیل بہہ جانے سے ویسے ہی میرا بہت نقصان ہو گیا ہے، اور یہ مجھ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ میں انہیں کپڑوں پر چھینٹیں پڑنے کی وجہ سے ہزار روپے بطورِ جرمانہ دوں، جب کہ میں نے ان سے یہ کہا ہے کہ میں آپ کا یہ سوٹ آپ کو گھر لے جا کر دھو کر دے دیتا ہوں، معمولی سے چند چھینٹیں ہی تو لگے ہیں جو آسانی سے دھل کر بالکل صاف ہو جائیں گے۔

لیکن یہ مسلسل مجھ سے اصرار کر رہے ہیں کہ میں انہیں ہزار روپے جرمانے کے طور پر ادا کروں۔ اب آپ ہی انصاف کریں اور بتائیں کہ میں کہاں سے ان کو ہزار روپے جرمانہ دوں؟

تیل والے نے جب ساری بات اس نوجوان کو بتائی تو سب لوگ اس متکبر کو برا

بھلا کہنے لگے۔

ہاں ہاں !! میرا نیا سوٹ اس شخص نے تیل گرا کر سارا خراب کیا ہے، اب اس پر میں اس سے ضرور جرمانہ لوں گا، کوئی مجھے اس سے نہیں روک سکتا۔

متکبر آدمی نے چیخ کر کہا۔

اچھا اچھا! اس نوجوان نے متکبر شخص کو ہاتھ سے چپ ہونے کا اشارہ کیا اور پوچھا۔

جی جناب! کتنے کا ہے آپ کا یہ جوڑا؟

ہزار روپے کا...... متکبر آدمی نے جواب دیا۔

اچھا تو یہ لیں ہزار روپے، نوجوان نے جلدی سے اپنی جیب سے ہزار روپے نکال کر اُسے دے دیئے۔ لوگ حیران رہ گئے۔

متکبر آدمی نے فاتحانہ انداز میں ہاتھ بڑھا کر ہزار روپے لے لیے، اور ہزار روپے لے کر وہاں سے جانے لگا۔ چناں فوراً نوجوان نے اس کو آواز دی:

ارے بھائی صاحب! کہاں جا رہے ہیں؟

اپنے گھر...... متکبر آدمی نے تعجب سے کہا۔

بھائی کپڑوں کا سودا ہوا ہے...... مجھے کپڑے دے دیں۔ نوجوان نے کہا۔

متکبر آدمی ہکا بکا ہو گیا۔ کیا کہا! کپڑے......!!

ہاں ہاں! ابھی میں نے ہزار روپے میں آپ کا یہ سوٹ خریدا ہے۔

نوجوان نے ہنستے ہوئے اس سے کہا۔

لیکن میں یہ سوٹ کیسے دے سکتا ہوں...... پھر میں گھر کیسے جاؤں گا...... اب وہ متکبر آدمی پریشان ہو گیا تھا۔

مجھے کچھ نہیں معلوم...... مجھے میرا سوٹ چاہیے جو میں نے آپ سے خریدا ہے۔

سب لوگ بھی اس نوجوان کی طرف داری کر رہے تھے کیوں کہ انہوں نے اس متکبر آدمی کا رویہ اس تیل والے کے ساتھ دیکھا تھا۔

بھائی یہ اپنے پیسے لے لو۔ بالآخر اس متکبر آدمی نے اس نوجوان سے کہا۔

نہیں نہیں! میں تو یہ سوٹ خرید کر دو ہزار روپے میں بیچتا...... یا تو تم اب دو ہزار روپے میں مجھ سے یہ جوڑا خریدو یا پھر کپڑے مجھے دو اور گھر جاؤ۔

لوگ سب ہنسنے لگے۔

دد...... دو ہزار روپے...... متکبر آدمی دو ہزار کا سن کر ہکلانے لگا...... بھائی ایک ہزار لے لو...... میں دو ہزار روپے کہاں سے دوں...... اور میرا یہ جوڑا دو ہزار کا نہیں ہے...... متکبر آدمی دو ہزار کا سن کر بوکھلا گیا۔

مجھے دو ہزار روپے میں یہ جوڑا بیچنا تھا...... یا تو آپ مجھے دو ہزار دو یا پھر کپڑے دو نوجوان نے متکبر آدمی سے کہا۔ اب متکبر آدمی نوجوان کی منت سماجت کر رہا تھا اور

نوجوان اپنی بات پر اصرار کر رہا تھا۔ نوجوان کا مقصد صرف متکبر آدمی کو سبق سکھانا تھا۔

پھر تھوڑی دیر بعد اس متکبر شخص نے جب یہ دیکھا کہ نوجوان اپنے مطالبے سے نہیں ہٹ رہا ہے تو مجبوراً اس نے کہا:

اچھا بھائی یہ لو دو ہزار روپے اور میری جان چھوڑو۔ متکبر آدمی کی ساری اکڑ فوں نکل گئی تھی۔ نوجوان نے اس سے دو ہزار روپے لیے تو وہ آدمی فوراً وہاں سے چلا گیا۔ سارا مجمع اس پر ہنس رہا تھا۔

نوجوان نے ایک ہزار روپے تو اپنے جیب میں رکھ لیے اور دوسرے ہزار میں سے آدھے تیل والے کو اور آدھے فقیروں میں تقسیم کر دیئے۔ متکبر آدمی کو اپنے تکبر کی اتنی سزا بہت تھی۔

پیارے دوستوں آپ نے دیکھا کہ کس طرح اس تکبر کرنے والے شخص کو تکبر کرنے پر نقصان اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا، اس لیے آپ بھی آج سے یہ نیت کریں کہ کبھی کسی ساتھی کو حقیر نہیں سمجھیں گے اور نہ کبھی کسی کا مذاق اڑائیں گے، کیوں کہ ایسا کرنے سے فائدہ کچھ بھی نہیں ہوتا بل کہ الٹا نقصان ہوتا ہے۔

اور تکبر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بھی سخت ناپسند کرتے ہیں۔

انمول ذخیرہ

سُؤال ⑬: یہ چار (....) نقطے ہیں لیکن حقیقت میں آٹھ ہیں کیسے؟

جواب:...

سُؤال ⑭: ایسا لفظ بتائیں جو لکھا کچھ جاتا اور پڑھا کچھ جاتا ہے؟

جواب:...

سُؤال ⑮: وہ کون سا پرندہ ہے جو وضع انسانی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے؟

جواب:...

حل تو کریں

⑨ اپنا گھر خود آپ ہے وہ　　چلتا پھرتا بھی ہے وہ
اپنے ہی اندر وہ چھپ جائے　　جب سامنے اس کے کوئی خطرہ آئے

⑩ ایک ملک کا نام ایسا　　الٹا کرو پرندے جیسا

ہنسئے مت

* ایک پاگل: تم ملتان سے کب آئے؟
دوسرا: پندرہ تاریخ کو۔
پہلا: لیکن آج تو تیرہ تاریخ ہے۔
دوسرا: مجھے جلدی تھی اس لیے دو دن پہلے آگیا ہوں۔

* ایک شخص دوسرے سے:
آپ کے والد کیسے فوت ہوئے؟
دوسرا: بڑھاپے سے۔
پہلا: بڑھاپا واقعی خطرناک بیماری ہے۔ پچھلے دنوں ہمارے محلے میں بھی اس بیماری سے کئی بچے ہلاک ہوگئے تھے۔

سوالات کے جوابات

جواب ①: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

جواب ②: حضرت عمر بن حاطب الجماحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

جواب ③: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

جواب ④: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

جواب ⑤: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

جواب ⑥: حضرت خالد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

جواب ⑦: حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ۔

جواب ⑧: ٹیپو سلطان شہید رحمہ اللہ تعالیٰ۔

جواب ⑨: یہ تین حروف ''جیم......نون......واؤ'' ہیں۔

جواب ⑩: اندازاً ایک کروڑ بہتر لاکھ اسی ہزار 1, 72, 80, 000 میل کا سفر کرتا ہے۔

جواب ⑪: فلپائن کے قریب بحرالکاہل میں ہے، جس کی گہرائی تقریباً 34,430 فٹ ہے۔

جواب ⑫: قطب شمالی اور قطب جنوبی، جہاں مسلسل چھ مہینے دن پھر چھ مہینے رات ہوتی ہے۔

جواب ⑬: قوسین کے درمیان واقعی چار نقطے ہیں، لیکن لفظِ ''حقیقت'' میں آٹھ ہیں۔

جواب ⑭: لفظِ ''کچھ'' لکھا بھی کچھ جاتا اور پڑھا بھی کچھ جاتا ہے۔

جواب ⑮: پینگوئن، جو براعظم انٹارکٹیکا کے ساحلوں پر پایا جاتا ہے۔
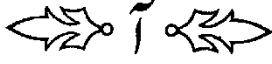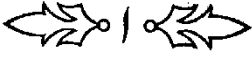
پہیلیوں کے جوابات

① علم	⑥ پنکھا
② دن، رات	⑦ چاند
③ کتاب	⑧ ہوا
④ نگاہ	⑨ کچھوا
⑤ ٹیلی فون	⑩ روم

مشکل الفاظ کے تلفظ اور معانی

الفاظ	تلفظ	معانی
	آ	
آبشار	آبْ شَارْ	اونچی جگہ سے گرنے والا قدرتی پانی۔
آگ بگولا ہونا	آگ بَ گولاَ ھونا	بہت غصے میں آنا۔
	ا	
اپنی راہ لینا	اَپْ نِیْ رَاہ لِینا	اپنے کام میں مصروف ہونا۔
اتفاق	اِتْ تِ فَاقْ	میل جول۔
احسان عظیم	اِحْسَانِ عَظِیْم	بہت بڑا احسان۔
اختتام	اِخْ تِ تَام	خاتمہ، انجام۔
ارتعاش	اِرْ تِ عَاش	کانپنا، رعشہ۔
اردگرد	اِرْد گِرْدْ	آس پاس، چاروں طرف۔
اشد ضرورت	اَشَدْ ضرورت	سخت ضرورت۔

اصرار	اِص رَار	تاکید، اڑ جانا۔
اعتراف	اِعْ تِ رَافْ	مان لینا۔
اکڑفوں	اَکَڑْ فُوںْ	غرور، شیخی۔
انٹینا	اِنْ ٹِینَا	چیونٹی کے سر پر لگے دو ڈنک نما باریک بال۔
انہماک	اِنْ ہِ مَاک	مصروفیت، انتہائی مشغولیت۔

ب

بحث	بَ حَثْ	لفظی تکرار کرنا۔
بخیل	بَ خِیلْ	تنگ دل، کنجوس۔
بڑبڑانا	بَڑْ بَ ڑَا نَا	چپکے چپکے کچھ کہنا۔
بھانپنا	بَھانْپْ نَا	صورت سے جان لینا۔
بھنچی بھنچی	بِھنْچِی بِھنْچِی	دبی دبی۔
بھول بھلیاں	بُھول بُھ لَیْ یَاں	ایک جیسے راستے۔
بیرونی	بے رُوْنِیْ	باہر کے۔
بے ساختہ	بے سَاخْ تَہ	خود بخود بے ارادہ۔

پ

پرجوش	پُرْ جوشْ	شوق کے ساتھ، بڑھ کر۔

پشیمان	پَ شے مَانْ	افسوس کرنے والا۔
پھٹکنے	پَھ ٹَکْ نَے	پاس آنا۔
پیوند	پے وَنْد	جوڑ لگانا۔

ت

تحمل	تَ حَمْ مُلْ	برداشت کرنا۔
تدبیر	تَدْ بِیْر	خوب سوچ کر تجویز نکالنا۔
ترازو	تَ رَازُو	وزن کرنے کا آلہ۔
ترغیب	تَرْ غِیْب	کسی کام کے کرنے پر آمادہ کرنا، شوق دلانا۔
تسلیم کرنا	تَسْ لِیْم کَرنا	قبول کرنا۔
تعجب	تَ عَجْ جُبْ	حیرت۔
تک	تُکْ	جوڑ نہیں بنتا۔
تنگ دستی	تَنْگ دَسْ تِیْ	غربت، فقیری۔
توہین	تَوْ ہِیْن	بے عزتی۔
تہس نہس	تَ ہِسْ نَ ہِس	الٹ پلٹ کرنا، تباہ کر دینا۔
تھال	تَھال	کھانے کی ٹرے۔

ٹ

ٹس سے مس	ٹَسْ سے مَسْ	اپنی بات پر اڑے رہنا۔

ج

جدل	جَ دَلْ	جنگ کرنا۔
جرمانہ	جُرْ مَا نَہ	مالی سزا، تاوان۔
جولاہا	جُو لَا ھَا	کپڑا بننے والا۔

چ

چرند پرند	چَ رِنْد پَ رِند	چلنے والے جانور اور اڑنے والے پرندے۔
چونک اٹھنا	چُوْنْک اُٹھنا	گھبرا جانا۔
چہچہانا	چَہْ چَ ھَانَا	خوشی میں آ کر بولنا۔

ح

حشر	حَ شَر	نتیجہ، انجام، ہنگامہ۔
حقیر	حَ قِیْ رْ	معمولی۔
حوصلہ	حَوْ صَ لَہْ	ہمت، دلیری۔
حیرت زدہ	حَے رَتْ زَدَہْ	بہت زیادہ حیران ہونا۔

خ

خستہ حال	خَسْ تَہْ حَالْ	پریشان۔
خندقیں	خَنْ دَ قیں	زمین میں کھودے گئے بڑے بڑے گڑھے۔
خوش نما	خُوْش نُمَا	خوب صورت۔
خوف زدہ	خَوفْ زَدَہْ	سخت گھبرا جانا۔

د

دربار	دَرْ بَارْ	بادشاہ کی مجلس۔
دشوار	دُشْ وَار	مشکل۔
دفن	دَ فَنْ	زمین میں چھپانا۔
دلاسہ دینا	دِلَاسَہْ دینا	تسلی دینا۔
دماغ چل جانا	دِمَاغْ چَلْ جَانَا	پاگل ہونا۔

ڈ

ڈیرا ڈالنا	ڈے رَا ڈالنَا	رہائش اختیار کرنا۔

ذ

ذلیل	ذَلِیْل	بدنام، رسوا۔

ر

راز	رَازْ	پوشیدہ بات۔
رب	رَبْ	پالنے والا، اللہ تعالیٰ۔
رسوا	رُسْ وا	بے عزت۔
رعب دار	رُعْب دَارْ	دبدبے کے ساتھ۔
رفو چکر	رَفُوْ چَكْ كَر	بھاگ جانا۔
روندنا	رُونْدْ نَا	پاؤں کے نیچے مسل دینا۔
رویہ	رَوَیْ يه	چال چلن، برتاو۔
رینکنا	رِينكْ نَا	گدھے کی آواز۔

س

سٹی گم ہونا	سِٹْ ٹِیْ گُمْ ھونا	حیران و پریشان رہنا۔
سرپٹ دوڑنا	سَرْ پَٹْ دوڑنا	نہایت تیز دوڑنا۔
سرکش	سَرْ كَشْ	نافرمان۔
سناٹا	سَنْ نَاٹَا	خاموشی، خوف، دہشت۔
سنی ان سنی	سُنِی اَنْ سُنِی	سن کر ایسا ظاہر کرنا جیسے نہ سنا ہو۔

سونپ دینا	سَونْپ دینا	حوالہ کرنا۔
سینہ تان کر	سِیْ نَہ تَانْ کر	اکڑ کر چلنا، اترا کر چلنا۔
ش		
شعاع	شُ عَاعْ	روشنی، کرن۔
شہرت	شُہ رَتْ	چرچا، نیک نامی۔
ص		
صدمہ	صَدْ مَہْ	تکلیف، نقصان۔
ط		
طنزیہ	طَنْ زِیَہ	مذاق اڑانے والا لہجہ۔
ع		
عمدہ	عُمْ دَہْ	پسندیدہ، خوب صورت۔
غ		
غدود	غُ دُودْ	جسم کے اندر کے اعضاء۔
غضب ناک	غَ ضَبْ نَاکْ	غصہ میں بھرا ہوا۔
غنیمت	غَ نِیْ مَتْ	مفت ملی ہوئی چیز۔

ف

فاتحانہ انداز	فَاتِ حَانَہ اَنْدَازْ	جیتنے کے انداز میں۔
فرصت	فُرْ صَتْ	مہلت، فارغ وقت۔
فوارہ	فَ وْ وَا رَہ	پانی کو اوپر پھینکنے کا آلہ۔

ق

قافلہ	قَا فِ لَہْ	مسافروں یا تاجروں کا گروہ۔

ک

کاشتکاری	کَاشْتْ کَارِیْ	کھیتی باڑی کرنا۔
کرتب	کَرْ تَبْ	چالاکی، ہوشیاری، عجیب وغریب کام۔
کھائی	کَھا ءِ یْ	پہاڑ کے ساتھ انتہائی گہری جگہ۔
کھمبی	کُھمْ بِیْ	ایک قسم کا سفید پودا جو کھانے میں کام آتا ہے۔
کیفیت	کَےْ فِی یَتْ	حالت۔

گ

گرج دار آواز	گَ رَجْ دَارْ	چیخ کر بولنا۔
گوداموں	گُو دَامُوْں	گودام کی جمع، اشیاء ذخیرہ کرنے کی جگہ۔

گھورنا	گُھورْنَا	غور سے دیکھنا۔
گھیراڈالنا	گھےرَا ڈالنا	چاروں طرف سے گھیر لینا۔

ل

لاغر	لَا غَرْ	پتلا ہونا، دبلا ہونا۔
لڑھکنا	لُ ڑھْك نَا	پھسلنا۔

م

مارامارا پھرنا	مَارَا مَارَا پِھرنَا	آوارہ پھرنا، بھٹکتے پھرنا۔
متکبرانہ چال	مُ تَ کَبْ بِرَا نَہ چَالْ	غرور والی چال، خود پسندی کا چلنا۔
متوجہ	مُ تَ وَجْ جَہْ	دھیان دینا۔
مخاطب	مُ خَاطِبْ	بات کرنا، متوجہ کرنا۔
مرافقت	مُ رَا فَ قَتْ	آپس کا اتحاد۔
مرتبان	مَرْ تَ بَانْ	اچار چٹنی رکھنے کے لیے چینی یا مٹی کا برتن۔
مرمت	مَ رَمْ مَتْ	اصلاح کرنا، ٹوٹی ہوئی چیز کو ٹھیک کرنا۔
مسکن	مَسْ کَنْ	مکان، گھر۔
مسلسل	مُ سَلْ سَلْ	لگاتار۔

مشیر	مُ شِیْ رْ	رائے دینے والا۔
مظالم ڈھان	مَ ظَا لِمْ	سختیاں کرنا۔
معمول	مَعْ مُولْ	وہ کام جو روزانہ کیا جائے۔
ملکہ	مَلِ کَہْ	بادشاہ کی بیوی، شہزادی۔
منصوبہ	مَنْ صُوْ بَہْ	تجویز، تدبیر۔
منظّم	مُ نَظْ ظَمْ	وہ چیز جو انتظام کے ساتھ ہو۔
منمناتے	مِنْ مِنَاتے	کم آواز میں بولنا، منہ میں بولنا۔
موافقت	مُ وَا فَ قَتْ	اتفاق، دوستی۔
موج کرنا	مَوجْ کَرنا	مزے کرنا۔

ن

نابینا	نَا بِیْ نَا	جس کی آنکھیں نہ ہوں۔
ناگوار	نَاگْ وَارْ	اچھا معلوم نہ ہونا۔
نخوت	نَ خُو وَتْ	غرور۔
نظم وضبط	نَظْ مُو ضَبْط	ایک ترتیب سے رہنا، کام کرنا۔

ہ

ہکابکا	هَ كْ كَا بَ كْ كَا	حیران پریشان۔

ہو بہو	ھُو بَ ھُو	ایک جیسا، بالکل ٹھیک۔

ی

یاددہانی	یَادْ دِھَانِیْ	کسی بات کی تاکید کے لیے دوبارہ کہنا یا لکھنا۔

بچوں کے لئے دلچسپ اور تربیتی کہانیاں

BED TIME STORIES

دارالھدیٰ